File F:\Graphic1.tif not found.

شعروادب

نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے

● ....لسان العصر حضرت اکبر الٰہ آبادیؒ

یہ موجودہ طریقے راہیٔ ملک عدم ہوں گے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے

نہ خاتونوں میں رہ جائے گی پردہ کی پابندی
نہ گھونگھٹ اس طرح حاجب روئے صنم ہوں گے

خبر دیتی ہے تحریک ہوا تبدیل موسم کی
کھلیں گے اور بھی گل زمزمے بلبل کے کم ہوں گے

عقائد پر قیامت آئے گی ترمیم ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے

ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی
لغات مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہوں گے

بدل جائے گا معیارِ شرافت چشم گردوں میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہوں گے

کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہوں گے

تمھیں اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے اکبؔر
بہت نزدیک ہے وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

اداریہ

رمضان کے بعد حج کے چرچے شروع ہوجاتے ہیں

● ....شمس الحق ندوی

کعبۃ اللہ شریف کی چھوٹی سی چوکور عمارت پہاڑوں کے دامن میں تھی، لیکن چند میٹر اونچی یہ عمارت اپنے، جلال و جمال میں آسمان کی بلندیوں کو چھوتی نظر آتی تھی، پہاڑ بہر حال ہماری نظروں میں بے جان پتھروں کی چٹان تھے، اب ان پہاڑوں کو کاٹ کر اونچے ہوٹلوں، فلک بوس عمارتوں سے گھیر دیا گیا ہے، ان ہوٹلوں میں آرام وراحت کے سارے وسائل موجود ہیں، جس سے ان میں رہنے والوں کو آرام تو ملتا ہے لیکن دلوں کی دھڑکنوں کے تار مختصر عمارت ہی سے جڑے رہتے ہیں، ان اونچی عمارتوں اور آرام وراحت کے ساز وسامان سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا، دنیا کے بڑے بڑے ملک اور شہر ادنیٰ ترقی اور زیب وزینت میں خواہ کتنے ہی کمال کو پہونچ گئے ہوں، لیکن ایک بندۂ مومن کو حرمین شریفین، مکہ اور مدینہ میں جو جلال اور جمال نظر آتا ہے، وہ اس کو کہیں بھی نظر نہیں آتا، اس لیے اپنے ملک سے دوسرے کسی ملک میں جانے والے کے دل میں وہ شوق ووارفتگی، جذب وسر مستی نہیں پیدا ہوتی جو حرمین شریفین جانے والے کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے، رمضان المبارک کی بابرکت و پر انوار گھڑیاں گزریں، اور اب حج کے دن قریب آرہے ہیں، حج کو جانے والوں کے دل حرمین شریفین، مکہ مدینہ پہونچنے کے شوق میں خوش ہیں کہ ان کو ایسی عظیم عبادت کا شرف حاصل ہوگا جس کے ادا کرنے سے وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوجائیں گے جیسے کہ پیٹ سے بے گناہ اس دنیا میں آئے تھے، حج میں حج کی روحانیت ونورانیت کے ماحول میں سخت سے سخت دل بھی موم اور پتھر جیسے جگر بھی پانی ہوجاتے ہیں، باغی اور نافرمان بھی توبہ وانابت کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں، وہ آنکھیں جن سے خوف یا محبت کے دو قطرے بھی نہ ٹپکے تھے، یہاں پہونچ کر اشکبار ہو جاتی ہیں، رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور پورا ماحول سکینہ کے آغوش میں آجاتا ہے، شیطان کو منھ چھپانے کی بھی جگہ نہیں ملتی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’شیطان عرفہ کے دن سے زیادہ حقیر وذلیل، راندۂ درگاہ اور غصہ سے جلا بھنا ہوا کبھی نہیں دیکھا گیا، اس لیے کہ وہ دیکھتا ہے کہ رحمت الٰہی نازل ہورہی ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہوں کو معاف کررہا ہے، کتنے خوش نصیب ہیں وہ حضرات جن کو اس سال حج کی سعادت نصیب ہوگی، اور وہ ان فضائل ومناقب سے نوازے جائیں گے جن کا اوپر ذکر ہوا، اس لیے حج کو جانے والے بھائیوں سے یہ عرض کرنا شرف وسعادت کی بات ہوگی کہ حج میں اللہ رب العزت کی جو نوازشات وعنایات ہوں گی، ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے ابھی سے تیاری کریں، دعاؤں کی کثرت کہ حج کے وہ فوائد حاصل ہوں جو بیان ہوئے، عاشق کو اپنے محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت ہوتی ہے، اس کعبہ کی نسبت اللہ رب العالمین کی طرف ہے، اس لیے مسلمان کا اس کا مشتاق ہونا فطری بات ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے ایک واقعہ سے اس کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے، موسیٰ علیہ السلام کہیں جارہے تھے، بکریوں کے ایک چرواہا کے پاس سے گزرے، سنا کہ وہ اللہ رب العالمین کی محبت میں بڑے شوق ومستی کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ! آپ مل جاتے تو میں آپ کے سر میں تیل ملتا، خدمت کرتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تنبیہ کی، منع فرمایا کہ ایسا نہ کہو، اللہ تعالیٰ انسانوں جیسے نہیں ہیں کہ تم ان کی خدمت کرو، وہ خاموش ہوگیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غیب سے آواز آئی، موسیٰ! تم نے اس کو منع کیا، یہ نہیں دیکھا

File F:\Front.tif not found.

کہ وہ کس شوق ومحبت میں کہہ رہا ہے، بندۂ مومن کو کبھی کبھی ایسا اشتیاق ہوتا ہے، اور محبت جوش مارتی ہے، اس کی اس محبت کی تسکین کا سامان حج میں رکھا گیا ہے، لہٰذا جن خوش نصیبوں کو یہ سعادت حاصل ہورہی ہے، اس عاشقانہ محبت کے لیے ابھی سے اپنے اندر وہ کیفیات پیدا کرنے کی فکر وکوشش کریں، جن سے شعائر حج کو ادا کرنے میں عاشقوں کی دیوانگی اور مستی کا لطف آئے۔

خوش نصیب حاجیوں کی ان کیفیات کو بیان کرنے کے بعد جو اوپر ذکر ہوئیں، یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک بڑی تعداد نے حج کو کاروبار کا ذریعہ بنالیا ہے، زکوٰۃ جو فرض ہے، اس کو پوری طرح نہ ادا کریں گے، اور حج بار بار کریں گے جو زندگی میں ایک بار فرض ہے۔ قرب وجوار اور پڑوس میں کتنے یتیم اور بیوائیں، فقراء ومساکین بھوکے برہنے زندگی گزار رہے ہوتے ہیں، ان محتاجوں کو بھوکا پیاسا چھوڑ کر بس حج ہی ہوتا رہے، ایک حدیث میں مذکور ہے کہ: قیامت میں کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو اپنے پڑوسی کا دامن پکڑے ہوئے اللہ سے عرض کریں گے، یا اللہ! اس سے پوچھیں، اس نے اپنا دروازہ بند کرلیا تھا، مجھے اپنی ضروریات سے زائد جو چیز ہوتی، وہ بھی نہ دیتا تھا۔

اس مناسبت سے ہم ایک بڑا مفید ومؤثر واقعہ نقل کرنا مفید ومناسب سمجھتے ہیں: حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا، حاجیوں کا ایک قافلہ ایک جگہ ٹھہرا ہوتھا، (جب موجودہ وسائل نہیں تھے) ایک حاجی صاحب نے دیکھا کہ دو عورتیں پردہ پوش گھوڑے پر گئیں، وہاں سے ایک مردہ مرغی اٹھا کر گھر لے گئیں، ان حاجی صاحب کو فکر ہوئی، دیکھتے رہے، ان کے گھر پہونچے، جھانک کر دیکھا، وہ اس کا پر وغیرہ نوچ رہی تھیں، توانہوں نے آواز دیا کہ مردار کھانا جائز نہیں ہے، یہ سادات گھرانے کی خواتین تھیں، جواب دیا، ہم کو مسئلہ نہ بتاؤ، مسئلہ ہمارے گھر سے نکلا ہے، ہم بھوک سے اس اضطراری حالت میں پہونچ گئے ہیں جس میں مردار کھانا جائز ہوجاتا ہے، ان حاجی صاحب نے اس مرغی کو کھانے سے روکا، اور اپنا سارا خرچہ ان کو دیدیا، اور ساتھیوں سے کہا: آپ لوگ جائیں، ہمارا خرچ ختم ہوگیا ہے، ہم نہ جاسکیں گے، واپسی میں ہم کو یہاں سے لے لیجیے گا۔ حجاج جب واپس ہوئے تو ان سے پوچھا، آپ یہیں ٹھرے رہے، انہوں نے جواب دیا: ہاں! ان حاجیوں نے کہا ہم نے حج میں ہر جگہ آپ کو اپنے آگے آگے دیکھا، انہوں نے کہا ہم تو یہاں سے ہٹے ہی نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے مخلصوں کو اسی طرح نوازتا ہے، کاش ہم کو بھی اس کا کوئی حصہ حاصل ہوجاتا، حج کا فریضہ اس طرح ادا کرتے جس طرح اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

محترم حجاج کرام! حج میں رمی اس لیے کی جاتی ہے کہ ان تینوں مقامات پر شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کرنے سے اچھی اچھی تاویلات کے ذریعہ روکا تھا، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے دھوکہ میں نہیں آئے تو ہم حج جیسی عبادت کو ابلیسی چکروں کے ساتھ ادا کریں؟ کتنے حاجی ایسے ہیں جو سودی کاروبار کی کمائی سے حج کرتے ہیں، حرام کمائی سے حج کرتے ہیں، ان کو شیطان سمجھاتا ہے کہ جو چاہو کرو، حج کرلینا، سب معاف ہوجائے گا، شیطان نے اپنے راندۂ درگاہ ہونے کے وقت ہی کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم ان کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، ہر طرف سے گمراہ کریں گے، مگر ہم اس پر غور نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ‌ۚ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ“ ۔[سورہ یٰسٓ: ۶۰] (اے آدم کی اولاد! ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا، (اس کے دھوکہ میں نہ آنا)، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے)۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے حجاج کو اخلاص عطا فرمائے اور صحیح طریقہ سے حج کرائے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

تکمیل دین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیسے کیا؟

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

جب مشیت الٰہی کی تکمیل ہوگئی، امت کے نفوس بت پرستی کی آلودگیوں اور جاہلیت کی عادتوں سے پاک اور ایمان کی روشنی سے منوّر ہوگئے اور ان کے دل کی سرد انگیٹھیوں میں شوق ومحبت کی چنگاریاں پیدا ہوگئیں، بیت اللہ بھی بتوں سے اور بتوں کی گندگی سے پاک وصاف ہوگیا، مسلمانوں کے اندر (جن کو حج بیت اللہ کئے ہوئے بہت عرصہ ہوگیا تھا) حج کا نیا شوق پیدا ہوگیا، اور محبت اور عشق کا جام نہ صرف لبریز ہوا بلکہ چھلکنے لگا، جدائی کی گھڑی بھی بہت قریب آگئی، اور حالات کا تقاضہ ہوا کہ امت کو وداع کہا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو (۱۰ھ میں) حج کی اجازت عطا فرمائی، اسلام میں یہ آپ کا پہلا حج تھا۔

آپ مدینہ سے اس غرض سے روانہ ہوئے کہ حج بیت اللہ کریں گے، مسلمانوں سے ملیں گے، ان کو دین کی تعلیم دیں گے، اور مناسک حج سکھائیں گے، حق کی شہادت دیں گے، اپنا فرض ادا کریں گے، مسلمانوں کو آخری نصیحتیں اور وصیتیں کریں گے، ان سے عہد وپیمان لیں گے، جاہلیت کے آخری آثار ونشانات کو مٹائیں گے اور قدموں سے پامال کریں گے، یہ حج ہزار وعظ، اور ہزار درس وتعلیم کا قائم مقام تھا، یہ دراصل ایک چلتا پھرتا مدرسہ، ایک متحرک مسجد، اور ایک گشتی چھاؤنی تھی، جہاں ایک جاہل علم سے آراستہ ہوتا، غافل اپنی غفلت سے بیدار ہوتا، سست وکاہل چست وچالاک اور کمزور طاقتور بنتا، ایک ابر رحمت سفر وقیام ہر حالت میں اور ہر وقت ان پر سایہ فگن رہتا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ کی محبت وشفقت اور آپ کی تربیت اور نگرانی ورہنمائی کا ابر رحمت تھا۔

صحابۂ کرام جیسے ثقہ اور عادل راویوں نے اس سفر کے نازک سے نازک گوشوں اور پہلوؤں اور اس کے چھوٹے چھوٹے واقعہ کا ایک ایسا ریکارڈ ہمارے لئے محفوظ کردیا ہے، جس کی مثال نہ سلاطین وامراء کے سفرناموں میں ملتی ہے، نہ علماء ومشائخ کی سرگذشتوں میں۔

ہم اس سفر حج کا خلاصہ یہاں پیش کرتے ہیں، جس کو ''حجۃ الوادع'' ''حجۃ البلاغ'' اور ''حجۃ التمام'' کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ وہ ان سب کا جامع ہے، بلکہ اس سے بھی سوا ہے۔

آپ کے ساتھ اس سفر میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابی شریک تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا اور (ذی قعدہ ۱۰ھ میں) لوگوں کو اس کی اطلاع کردی کہ آپ حج کے لئے جانے والے ہیں، یہ سن کر لوگوں نے آپ کے ساتھ حج میں جانے کی تیاریاں شروع کردیں۔

اس کی خبر مدینہ کے اطراف میں بھی پہونچی اور وہاں سے لوگ جوق جوق مدینہ حاضر ہوئے، راستہ میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ اس قافلہ میں شامل ہوتے گئے کہ ان کا شمار مشکل ہے، خلقت کا ایک ہجوم تھا، جو آگے پیچھے دائیں بائیں حدنگاہ تک آپ کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھا، آپ مدینہ سے دن میں ظہر کے بعد ۲۵/ذی القعدہ کو سنیچر کے دن روانہ ہوئے، پہلے ظہر کی چار رکعتیں آپ نے ادا فرمائیں اس سے پہلے خطبہ دیا اور اس میں احرام کے واجبات وسنن بیان فرمائے۔

پھر تلبیہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے ''لبيك اللّٰهم لبيك، لبيك، لا شريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك والملك لاشريك لك'' مجمع ان الفاظ میں کبھی اختصاراً (کبھی فرط شوق سے حذف واضافہ کرتا) آپ اس پر کوئی نکیر نہ فرماتے تلبیہ کا سلسلہ آپ نے برابر جاری رکھا اور ''عروج'' میں پہونچ کر پڑاؤ کیا، آپ کی سواری اور حضرت ابوبکرؓ کی سواری ایک تھی۔

پھر آگے روانہ ہوئے اور ''الابواء'' پہونچے، وہاں سے چل کر وادئ عسفان اور سرف میں پہونچے، پھر وہاں سے روانہ ہوکر ''ذی طویٰ'' میں منزل کی اور سنیچر کی رات وہاں گزاری، یہ ذی الحجہ کی چار تاریخ تھی، فجر کی نماز آپ نے یہیں ادا فرمائی اسی روز غسل بھی فرمایا، اور مکہ کی طرف روانہ ہوئے، مکہ میں آپ کا داخلہ دن میں بلندی کی طرف سے ہوا، وہاں سے چلتے ہوئے، آپ حرم شریف میں داخل ہوئے، یہ چاشت کا وقت تھا، بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی آپ نے فرمایا: ''اللّٰهم زد بيتك هذا تشريفاً وتعظيماً وتكريماً ومهابةً'' (اے اللہ اپنے اس گھر کی عزت وشرف، تعظیم وتکریم، اور رعب وہیبت میں اور اضافہ فرما) دست مبارک بلند کرتے ہوئے تکبیر کہتے اور ارشاد فرماتے: ''اللّٰهم أنت السلام ومنك السلام حيّنا ربنا بالسلام'' (اے اللہ آپ سلامتی ہیں، آپ ہی سے سلامتی کا وجود ہے، اے ہمارے رب ہم کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ)۔

جب حرم شریف میں آپ داخل ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے کعبہ کا رخ کیا، حجر اسود کا

File F:\Front.tif not found.

سامنا ہوتو آپؐ نے بغیر کسی مزاحمت کے اس کا بوسہ لیا پھر طواف کے لئے داہنی طرف رخ کیا، بیت اللہ آپؐ کی بائیں طرف تھا، اس طواف کے پہلے تین شوط میں آپؐ نے رمل کیا۔

آپؐ تیز چل رہے تھے، قدموں کا فاصلہ مختصر ہوتا تھا، اپنی چادر آپؐ نے اپنے ایک شانہ پر ڈال لی تھی، دوسرا شانۂ مبارک کھلا ہوا تھا، جب آپ حجر اسود کے سامنے گذرتے تو اس کی طرف اشارہ کرکے اپنی چھڑی سے استلام کرتے، جب طواف سے فراغت ہوئی تو مقام ابراہیم کے پیچھے تشریف لائے، اور یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى" اس کے بعد یہاں دو رکعتیں پڑھیں، نماز سے فارغ ہوکر پھر حجر اسود کے قریب تشریف لے گئے، اور اس کا بوسہ لیا، پھر صفا کی طرف اس دروازے سے چلے جو آپ کے مقابل تھا، جب اس کے قریب آئے تو فرمایا: "إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ"، أبدأ بما بدأ اللّٰه به" (صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر اور نشانیوں میں سے ہیں، میں شروع کرتا ہوں اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا۔)

پھر آپ اس پر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ آپ کو نظر آنے لگا، پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وکبریائی کا اعلان کیا:۔

لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شئى قدير، لا الہ الا اللّٰہ وحدہ أنجز وعدہ ونصر عبدہ وهزم الأحزاب وحدہ. اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا سب ملک اور بادشاہی ہے، اور اسی کے لئے ساری حمد وتعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد فرمائی، اور تمام جماعتوں اور گروہوں کو تنہا شکست دی۔

مکہ میں آپؐ نے چار روز سنیچر، دوشنبہ، منگل، بدھ قیام فرمایا، جمعرات کے روز دن نکلتے ہی آپ تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ تشریف لے آئے، ظہر وعصر کی نمازیں یہیں ادا فرمائیں اور رات بھی یہیں بسر کی، یہ جمعہ کی رات تھی، جب آفتاب نکل آیا تو آپ عرفہ کی طرف روانہ ہوئے، آپؐ نے دیکھا کہ نمرہ میں آپؐ کے لئے خیمہ لگایا جاچکا ہے، چنانچہ آپ اسی میں اترے، جب زوال کا وقت ہوگیا تو اپنی اونٹنی "قصواء" کو تیار کرنے کا حکم دیا، پھر وہاں سے روانہ ہوکر عرفہ کے میدان کے وسط میں آپؐ نے منزل کی، اور اپنی سواری ہی پر تشریف رکھتے ہوئے ایک مہتم بالشان خطبہ دیا، جس میں آپؐ نے اسلام کی بنیادوں کو واضح کیا اور شرک وجہالت کی بنیادیں منہدم کردیں، اس میں ان تمام حرام چیزوں کی آپؐ نے تحریم فرمائی جن کے حرام ہونے پر تمام مذاہب و اقوام متفق ہیں، اور وہ ہیں ناحق، خون کرنا، مال غصب کرنا اور آبروریزی کرنا، جاہلیت کی تمام باتوں اور مروجہ کاموں کو اپنے قدموں کے نیچے پامال کردیا، جاہلیت کا سود کل کا کل آپؐ نے ختم فرمادیا اور اس کو بالکل باطل قرار دیا عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی اور ان کے جو حقوق ہیں، نیز ان کے ذمہ جو حقوق ہیں، ان کی توضیح کی اور یہ بتایا کہ دستور کے مطابق خوراک اور لباس، نان نفقہ ان کا حق ہے۔

امت کو آپؐ نے کتاب اللہ کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ رہنے کی وصیت کی، اور ارشاد فرمایا کہ "جب تک وہ اس کے ساتھ اپنے کو اچھی طرح وابستہ رکھیں گے گمراہ نہ ہوں گے" آپؐ نے ان کو آگاہ کیا کہ ان سے کل قیامت کے دن آپؐ کے بارے میں سوال ہوگا" اور وہ اس کے جواب دہ ہوں گے، اس موقع پر آپؐ نے تمام حاضرین سے دریافت فرمایا کہ وہ آپ کے متعلق کیا کہیں گے اور کیا گواہی دیں گے، سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ ہم گواہی دیں کہ آپؐ نے پیغام حق بے کم وکاست پہونچادیا، اپنا فرض پورا کیا، اور خیر خواہی کا حق ادا کردیا، یہ سن کر آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار اللہ تعالیٰ کو ان پر گواہ بنایا اور ان کو حکم دیا کہ جو یہاں موجود ہے، وہ غیر حاضر تک یہ بات پہونچادے۔

جب آپؐ خطبہ پورا فرما چکے تو آپؐ نے بلالؓ کو اذان کا حکم دیا، انھوں نے اذان دی، پھر آپؐ نے ظہر کی نماز دو رکعت پڑھی، اسی طرح عصر کی بھی دو ہی رکعت پڑھی، یہ جمعہ کا روز تھا۔

نماز سے فارغ ہوکر آپ اپنی سواری پر تشریف لے گئے، اور موقف پر آئے، یہاں آکر آپؐ اپنے اونٹ پر بیٹھ گئے اور غروب آفتاب تک دعاء ومناجات اور مالک الملک کے حضور تضرّع وابتہال اور اپنی عاجزی وبے چارگی کے اظہار میں مشغول رہے، دعا میں آپ اپنا دست مبارک سینے تک اٹھاتے تھے، جیسا کہ کوئی سائل اور مسکین نان شبینہ کا سوال کررہا ہو، دعا یہ تھی:

(ترجمہ) اے اللہ تو میری بات سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرتا ہوں، جیسے بیکس سوال کرتے ہیں، تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں، جیسے گنہگار، ذلیل وخوار گڑگڑاتا ہے، اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہو، اور جیسے وہ شخص طلب

File F:\Front.tif not found.

کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو، اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں، اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو، اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو، اے رب تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہوجا، اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر اور سب دینے والوں سے اچھے۔

اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً" جب آفتاب غروب ہوگیا تو آپ ؐ عرفہ سے روانہ ہوگئے اور اسامہؓ بن زید کو اپنے پیچھے بٹھایا، آپ ؐ متانت، سکون ووقار کے ساتھ آگے چلے، اونٹنی کی مہار آپ ؐ نے اس طرح سمیٹ لی تھی کہ قریب تھا کہ سر آپ ؐ کے کجاوہ سے لگ جائے، آپ ؐ کہتے جاتے تھے کہ لوگو! سکون اور اطمینان کے ساتھ چلو، راستہ بھر آپ تلبیہ کرتے جاتے، اور جب تک مزدلفہ نہ پہونچ گئے، یہ سلسلہ جاری رہا، وہاں پہونچتے ہی آپ ؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم فرمایا، اذان دی گئی، آپ ؐ کھڑے ہوگئے اور اونٹوں کو بٹھانے اور سامان اتارنے سے پہلے مغرب کی نماز ادا فرمائی جب لوگوں نے سامان اتار لیا تو آپ ؐ نے عشا کی نماز بھی ادا فرمائی پھر آپ آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے اور فجر تک سوئے۔

نماز فجر اول وقت ادا فرمائی، پھر سواری پر بیٹھے اور مشعر الحرام آئے اور قبلہ رُو ہوکر دعاء و تضرّع، تکبیر و تہلیل اور ذکر میں مشغول ہوگئے، یہاں تک کہ خوب روشنی پھیل گئی، یہ طلوع آفتاب سے پہلے کی بات ہے، پھر آپ ؐ مزدلفہ سے روانہ ہوئے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سواری پر آپ ؐ کے پیچھے تھے، آپ ؐ برابر تلبیہ میں مشغول رہے، آپ ؐ نے ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ رمی جمار کے لئے سات کنکریاں چن لیں، جب آپ ؐ وادی مُحَسّر کے وسط میں پہونچے تو آپ ؐ نے اونٹنی کو تیز کردیا اور بہت عجلت فرمائی، اس لئے کہ یہی وہ جگہ ہے، جہاں اصحاب فیل پر عذاب نازل ہوا تھا، یہاں تک کہ منیٰ پہونچے اور وہاں سے جمرۃ العقبہ تشریف لائے، اور سواری پر طلوع آفتاب کے بعد رمی کی اور تلبیہ موقوف کیا۔

پھر منیٰ واپسی ہوئی، یہاں پہونچ کر آپ ؐ نے ایک بلیغ خطبہ دیا جس میں آپ ؐ نے یوم النحر کی حرمت سے آگاہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دن کی جو فضیلت ہے، اس کو بیان کیا، دوسرے تمام شہروں پر مکہ کی افضلیت و برتری کا ذکر کیا، اور جو کتاب اللہ کی روشنی میں ان کی قیادت کرے اس کی اطاعت وفرمانبرداری ان پر واجب قرار دی، پھر آپ ؐ نے حاضرین سے کہا کہ وہ اپنے مناسک و اعمال حج آپ ؐ سے معلوم کرلیں، آپ ؐ نے لوگوں کو یہ بھی تلقین فرمائی کہ دیکھو میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہوجانا، جو ایک دوسرے کی گردن مارتے رہتے ہیں، آپ ؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ یہ سب باتیں دوسروں تک پہونچادی جائیں، اس خطبہ میں آپ ؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

اعبدوا ربکم وصلّوا خمسکم وصوموا شھرکم واطیعوا اذا أمرکم تدخلوا جنة ربکم (اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز پڑھو، ایک مہینہ (رمضان) کا روزہ رکھو اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے)۔

اس وقت آپ ؐ نے لوگوں کے سامنے الوداعیہ کلمات بھی کہے اور اسی وجہ سے اس حج کا نام "حجۃ الوداع" پڑا۔ پھر آپ ؐ منیٰ میں "منحر" تشریف لے گئے، اور ترسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے جتنے اونٹ آپ ؐ نے ذبح کئے وہی تعداد آپ ؐ کی عمر شریف کے برسوں کی بھی ہے، اتنی تعداد کے بعد آپ ؐ نے توقف کیا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہ سے کہا کہ سو میں جتنے باقی ہیں، وہ پورے کریں، غرض جب آپ ؐ نے قربانی مکمل کرلی تو آپ ؐ نے حجام کو طلب فرمایا، اور حلق کروایا، اور اپنے موئے مبارک قریب کے لوگوں میں تقسیم فرمادئے، پھر سواری پر مکہ روانہ ہوئے، طواف افاضہ کیا جس کو طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں، پھر بئر زمزم کے پاس تشریف لائے اور کھڑے ہوکر پانی نوش فرمایا، پھر اسی روز منیٰ واپسی ہوئی اور شب وہیں گذاری، دوسرے دن آپ زوال آفتاب کا انتظار کرتے رہے، جب زوال کا وقت ہوگیا تو آپ ؐ اپنی سواری سے اتر کر رمی جمار کے لئے تشریف لے گئے، جمرۂ اولیٰ سے آغاز فرمایا، اس کے بعد جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبہ کے قریب جاکر رمی کی، منیٰ میں آپ ؐ نے دو خطبے دیئے، ایک قربانی کے دن جس کا ذکر ابھی اوپر گذرا، دوسرا قربانی کے دوسرے روز۔

یہاں آپ نے توقف فرمایا، اور ایام تشریف کے تینوں دن کی رمی مکمل کی، پھر مکہ کی طرف روانہ ہوئے، اور سحر کے وقت طواف وداع کیا، اور لوگوں کو تیاری کا حکم فرمایا، اور مدینہ روانہ ہوگئے۔

جب آپ ؐ غدیر خم پہونچے تو آپ ؐ نے ایک خطبہ دیا اور حضرت علیؓ کی فضیلت بیان فرمائی، اس موقع پر آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ". (جس کو میں محبوب ہوں علی بھی اس کو محبوب ہونا چاہئے، اے اللہ! جو علی سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو ان سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ)۔

جب آپ ذوالحلیفہ آئے تو رات یہیں بسر کی، سواد مدینہ پر آپ کی نظر پڑی تو آپ ؐ نے تین بار تکبیر کہی، اور آپ ؐ مدینہ طیبہ میں دن کے وقت داخل ہوئے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

چراغ راہ

موجودہ حالات میں خیر امت کی ذمہ داری

● ....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مسلمانوں کو جو مکمل دین دیا گیا اور ان کے نبی آخر الزماں پر شریعت کو مکمل کیا گیا وہ انسان کو آزادی اور آپس کی برابری کی تلقین کے ساتھ خیر امت کا خطاب دے کر اچھے اخلاق و کردار اور آزادی کو انسانی اقدار کا پابند بھی کیا گیا جس کو مغربی تمدن نے نظر انداز کرتے ہوئے آزادی کو بے حیائی اور اخلاقی انارکی کے حوالہ کر دیا اور پھر آزادی کے اپنے اس نقطۂ نظر کو مشرقی سوسائٹی پر نافذ کیا، ہماری مشرقی سوسائٹی کا فرض ہے کہ مغرب سے آئے ہوئے فکر و فلسفہ میں سے صرف اچھے پہلوؤں کو اختیار کرے اور برے پہلوؤں سے پوری طرح گریز و اجتناب کرے اور یہ ذمہ داری سب سے زیادہ مسلمانوں کی ہے جو خیر امت کے لقب کے حامل ہیں۔

گزشتہ صدی کے وسط تک مسلمانوں کو اپنے دین اور اپنے ملی پیغام کی طرف توجہ دلانے کی جو کوششیں ہوئیں اور ان کو ان کا عزت و عظمت کا ماضی یاد دلانے کے لیے جو لکھا اور کیا جاتا رہا تھا اس کے یہ اثرات پڑتے تھے کہ مسلمانوں میں بیداری اور ملی احساس و شعور پیدا ہو رہا تھا اب پھر مزید توجہ کے ساتھ اس کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے ان حالات کا چرچا کیا جائے جن میں انہوں نے دنیا کو اخلاق و انسانیت کا درس دیا، اور قوموں اور نسلوں کو حیوانی زندگی سے نکال کر انسانی زندگی میں داخل کیا، انہوں نے مصیبت زدہ دنیا کو مصیبت سے نکالا، غلاموں کو ان کی حقیر پوزیشن سے نکال کر دوستانہ و مساویانہ پوزیشن میں پہونچایا، عورت کو ساز و سامان کی حیثیت سے نکال کر کامل انسانی حقوق کی مستحق اور رفیقۂ حیات کا درجہ دیا، بچیوں کو عار و ذلّت کا سبب سمجھ کر زندہ دفن کر دینے سے بچا کر نعمت اور باعث اجر و ترقی سمجھنے کا ذریعہ بنایا، انسان تو انسان ہے ہر ذی روح کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا سبق دیا، مساوات انسانی کا ایسا سبق دیا کہ دیکھنے والے دیکھ کر ششدر رہ گئے اور اس دین کی خوبی اور اس ملت کی عظمت کو مان گئے، چنانچہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے اور پوری پوری قومیں مسلمان ہوگئیں۔

ایسی مثالیں بھی ہیں کہ مسلمان فوجوں نے ایک علاقہ کو فتح کیا، علاقے والوں نے مسلمانوں کے خلیفہ سے شکایت کی کہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان اچانک حملہ نہیں کرتے پہلے اپنی بات پیش کرتے ہیں، اس کے نہ ماننے کے بعد کہہ کر حملہ کرتے ہیں، اس فوج نے ایسا نہیں کیا، اس شکایت پر خلیفہ نے حکم دیا کہ مسلمان فوجیں مقبوضہ ملک چھوڑ دیں، واپس آجائیں، اور پہلے اپنی دعوت اور پیغام پیش کریں، اور صلح کے ذریعہ معاملہ کو انجام دینے کی کوشش کریں، اس میں ناکامی کے بعد حملہ کریں، چنانچہ مسلمان فوجوں نے مقبوضہ ملک چھوڑ دیا، اور اسلام کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا، اس کا نتیجہ ہوا کہ پورا ملک اتنا متاثر ہوا کہ خود سے مسلمان ہوگیا۔

اسلام نے انسان کی آزادی اور اس کو انسانی خوبیوں کا حامل بنانے کی کوشش اس زمانہ میں کی جب دنیا کے اس وقت کے تمدن کو مغربی ملکوں میں بڑے چھوٹے کا ظالمانہ فرق عام طور پر روا رکھا جاتا تھا اور اخلاقی آزادی کے افسوسناک واقعات کو بالکل برا نہیں سمجھا جاتا تھا، دیکھئے تاریخ اخلاق یورپ، اس کے مقابلے میں اسلام نے نیا پیغام دیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں اعلیٰ معیار بن کر سامنے آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ذی حیات کے ساتھ سلوک کی دعوت دی، اور سلوک کرنے میں اجر بتایا، یہاں تک کہ ایک پیاسے کُتے کو پانی پلا دینے پر جنت میں جانے کی بشارت دی اور ایک بلی کو بھوکا رکھ کر مارے جانے پر آخرت کے عذاب کی خبر دی۔

غلاموں کے سلسلہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ طرز عمل اور تعلیمات بہت واضح ہیں، انتقال کے وقت آپ نے جو وصیت فرمائی وہ یہ تھی "الصلاة وماملكت أيمانكم" کہ اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور اپنے غلاموں کے ساتھ سلوک کرو۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری لشکر جو روانہ کیا، اس کا سربراہ اپنے سابق غلام کے نوجوان لڑکے کو بنایا، لشکر جانے سے قبل آپ کی وفات ہوگئی، آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لشکر روانہ کرنا چاہا تو لوگوں نے کہا کہ اس لشکر میں بڑے بڑے عرب کے سردار ہیں، اگر

File F:\Front.tif not found.

اس نوجوان کے بجائے کسی بڑے سردار کو قائد بنادیا جائے تو زیادہ مضبوط بات ہوگی، خلیفۃ المسلمین نے کہا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اسی کو قائم رکھا جائے گا، اور یہی نوجوان اور سابق غلام کے صاحبزادے ہی قیادت کریں گے، چنانچہ سب نے اطاعت کی اور انہی کی قیادت میں کام کیا اور کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

اسلام نے نظام جمہوریت کو انسان کی واقعی ضرورتوں کے ساتھ وابستہ کیا ہے، اس میں انسان کی دینی ودنیاوی ضرورتوں کا لحاظ رکھا ہے، مذہبی اقدار کی پابندی کے ساتھ ساتھ دنیاوی تقاضوں کا بھی خیال رکھا ہے، مذہبی معاملہ میں تو اس کی تاکید کی ہے اور معاشرہ میں جو بڑا ہے وہ اپنے چھوٹوں کو صحیح راہ پر گامزن کرنے کی پوری فکر رکھے، مثلاً نماز کے سلسلہ میں فرمایا کہ بچہ جب آٹھ سال کا ہوجائے تو اس کو نماز کی صرف تلقین کرو یعنی سختی اور سزا کے بغیر توجہ دلاؤ اور جب ۱۰ سال کا ہوجائے اور بات نہ مانے تو ضرورت پڑنے پر ضرب سے کام لو۔ ایک خاتون جن سے چوری کا جرم ہوگیا تھا وہ اونچے گھرانے کی تھیں، آپؐ کے پاس سفارش آئی کہ رعایت فرمائیں، آپؐ بہت ناراض ہوئے اور سفارش رد کردی اور دنیا کے معاملہ میں آپؐ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ آدمی کو کمانا چاہیے وہ دوسروں کا دست نگر نہ بنے چنانچہ ایک بھیک مانگنے والے کو بھیک دینے کے بجائے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس کیا ہے، اس نے بتایا کہ ایک پیالہ ہے اور ایک چادر، فرمایا لے آؤ، آپؐ نے اس کا سامان دو درہم میں فروخت کیا، آپ نے ایک درہم اس کو دیا کہ اس سے کھانے کا انتظام کرو اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خریدوائی اور اس میں لکڑی کا دستہ اپنے ہاتھ سے لگا کر دیا کہ لکڑی کاٹ کے لاؤ اور فروخت کرکے اپنے معاش کا انتظام کرو۔ [سنن ابی داؤد، باب ماتجوز فیہ المسئلۃ، رقم: ۱۶۴۱] آپؐ ایک طرف تو ضرورت مند کی طلب پر اس کی مدد کرتے تھے اور اس کی ترغیب بھی کرتے تھے، دوسری طرف آپؐ بھیک کے سلسلہ کو حسن تدبیر سے روکتے تھے۔

اسی طرح حج کے موقع پر ایک صحابیؓ نے جو بیماری کے سبب اپنے انتقال کے قریب ہونے کا احساس ظاہر کرتے ہوئے پیش کش کی کہ اپنی پوری مالیت کو اسلام کے لیے وقف کردیں، آپؐ نے فرمایا اتنا نہیں تو انہوں نے کہا کہ اچھا نصف کردیں، آپؐ نے فرمایا نصف بھی نہیں، پھر انہوں نے کہا کہ ایک تہائی تو فرمایا یہ بھی زیادہ ہے لیکن ہوسکتا ہے اور دیکھو تم اپنے بچوں کو محتاج چھوڑ جاؤ اس سے بہتر ہے کہ ان کے لیے کچھ کرکے جاؤ، یہ تھی اسلام کی وہ جامعیت جو دین و دنیا دونوں کے تقاضوں اور ضرورتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھی۔

یہ واقعات اور اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں جو ہماری تاریخ میں دبے رہ گئے ہیں، انہیں دوسروں کے علم میں لانے کے لیے سامنے لانے کی ضرورت ہے، تاکہ غیر مسلم حضرات بھی جانیں اور انہیں معلوم ہو کہ اسلام اور مسلمانوں نے دنیا کو کیا کیا تحفے دیئے، اور انہیں یہ احساس ہو کہ ہم نے یہ غلطی سے سمجھ رکھا تھا کہ مسلمان ظلم کرتا ہے، دہشت پھیلاتا ہے، اگر کبھی کسی مسلمان سے ایسا ہوا بھی ہو تو یہ اس کا ذاتی فعل سمجھنا چاہیے، اس کا اسلام اور مسلمانوں سے تعلق نہیں، اسلام تو دین رحمت ہے اس کے نبی نبی رحمت ہیں، اسلام نے تو دوسرے کی خیر خواہی کی دعوت دی ہے، اور کسی کی بھی بدخواہی سے روکا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اسلام اور مسلمانوں کے مخالفین اور حریفوں کے ذہن وفکر کو بدلنے کی کوشش کریں، غلط پروپیگنڈے کی حقیقت کھول دیں۔

آج جب کہ ساری دنیا میں مسلمانوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے، انہیں بدنام کیا جارہا ہے، ان پر الزامات تھوپے جارہے ہیں، جس کی وجہ سے ہر جگہ مسلمانوں کو سخت جدوجہد کرنا پڑرہی ہے، اور ان کی اس جدوجہد کو ہر جگہ پوری طاقت سے دبایا جارہا ہے بلکہ بہت ظالمانہ طریقہ سے کچلا جارہا ہے، یورپ ہو یا ایشیا یا امریکہ ہر جگہ اسلام کا نام لینے والے مصیبت میں مبتلا کئے جارہے ہیں جیسے کہ کوئی خونخوار طاقت ابھرنے لگی ہو اور اس کو کچلنے کے لیے سب کے سب لگ جائیں، ضرورت ہے کہ اس مصیبت کے جتنے حصے کو ہم دعوت ووضاحت کے جائزہ ومؤثر طریقوں کے ذریعہ دور کرسکیں، اس سے دور کریں اور جو ظلم صحیح واقفیت کے باوجود ہمارے ساتھ غیر منصفانہ برتا جائے تو ہم اس کا پوری طاقت اور ہمت سے مقابلہ کریں اور اپنی نئی نسلوں میں موجودہ خرابی پیدا کرنے والی تدابیر کے نتیجہ میں جو بگاڑ پیدا ہورہا ہے، اس کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مناسب تدابیر اختیار کرکے درپیش خطرات سے بچائیں۔

☆☆☆☆☆

فکرانگیز

آخری قسط

انسانی خسران سورۂ عصر کی روشنی میں

توحیدِ الٰہ اور ایقانِ آخرت کے انکار سے رونما ہوتا ہے

● .... مولانا عبدالباری ندویؒ

لاالٰہ کے اقرار کا ذہنی وخارجی اثر

"لاالٰہ الاالـلّٰہ" دراصل عہد واقرار ہے اسی حقیقت کا کہ زمین وآسمان کے یہ سارے انتظامی وسائط واسباب انسان کی خدمت وغلامی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، نہ یہ کہ انھیں کو الٹے آقا ومخدوم، معبود ومقصود بنا کر ان کی بندگی اور ان کے آگے سرافگندی میں لگ جائے، بندگی اور سرافگندی، طاعت وفرماں برداری یا عبادت وعبدیت اسی ایک اور صرف ایک ذات الا اللہ کا حق ہے، جو خود ہماری اور زمین وآسمان کی تمام مخلوقات کی ذات وصفات، افعال وآثار کی بلاشرکت غیرے بالذات خالق ومالک ہے۔

اس توحید الٰہ کا لازمہ ہے کہ آدمی کا ذہنی وخارجی، فکری وعملی رویہ انفرادی واجتماعی، معاشی وسیاسی زندگی کے ہر ہر شعبہ وزاویہ، کلیہ وجزئیہ میں یکسر منقلب اور مخلوق سے ہٹ اور کٹ کر بالکلیہ خالق سے مربوط ووابستہ ہوجائے، موت وزندگی، بیماری وتندرستی، رزق وروزی، رنج وراحت، عزت وذلت، فقر وغنا، ملک ومال، کسی چھوٹے بڑے معاملہ، کسی چھوٹے بڑے ضرر، منع وعطا کا مالک ومختار یا دینے لینے، بنانے بگاڑنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں: "لَا مُعطِی لِمَا مَنَعتَ وَلَا مَانِع لِمَا أَعْطَیْتَ".

اس اقرار کی قوت

شجر وحجر، دریا وپہاڑ، آگ اور پانی، چاند اور سورج، زمین سے لے کر آسمان تک کونسی جاندار وبے جان چھوٹی بڑی مخلوق ہے، جس کے فعل واثر میں آدمی اپنے لیے فائدہ ونقصان، نفع وضرر کا کوئی نہ کوئی پہلو خود اپنے حواس سے علانیہ محسوس ومشاہدہ نہیں کرتا رہتا، اس لیے "لاالٰہ الااللّٰہ" کی توحیدی دعوت خالی کوئی لفظی منتر نہیں، بلکہ دن رات کی گویا عینی یا حواسی شہادت کی یکسر تکذیب کے فکری وعملی انقلابِ عظیم کا مطالبہ ہے، جس کا قدرتی ولازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ امید وبیم، خوف وہراس کا ہر قلبی وقالبی تعلق ہر مخلوق سے کٹ کر ہر ذات وصفت، ہر فعل واثر کے ایک اور صرف ایک خالق "اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْئٍ" سے جڑ جائے، یہی توحید "لا الٰہ إلا اللّٰہ" کی بنیاد ہے ؎

موحد چو بر پائے ریزی زرش
چو شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نہ باشد زکس
ہمیں است بنیاد توحید و بس

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے واقعات میں جو ہم یہ سنتے پڑھتے ہیں، کہ نہ ان پر بڑے بڑے شاہوں اور شہنشاہوں کے جاہ وجلال کا رعب پڑتا تھا نہ غنیم کی کثرت تعداد اور اسلحہ وآلات کی برتری سے ان کو ہراس ہوتا تھا، نہ وہ دریا اور پہاڑ کے موانع کو خاطر میں لاتے تھے، تو کیا ان کی یہ جرأت وبیباکی وقت کی بڑی بڑی فوجی ومادی طاقتوں کے مقابلہ میں توحیدِ الٰہ کی ایمانی وروحانی طاقت کے سوا کسی اور چیز کا کرشمہ تھی؟ انھوں نے لاالٰہ کا اقرار کر کے صرف خانۂ کعبہ کا نہیں، اس سے پہلے خانۂ دل یا ذہن ودماغ کے گہرے خوف ورجا، ہوا وہوس کے سارے "غیر اللّٰہی" بتوں کو ایک ایک کر کے نکال باہر کیا تھا، اور الا اللہ کے ایمان واذعان کو ظاہر وباطن کے پورے وجود میں رچا، اللہ کے سوا کسی غیر کے ہاتھ میں کسی حقیر سے حقیر نفع وضرر کو جان اور دیکھ کر نہ استعانت وسوال کا ہاتھ اٹھتا تھا نہ بندگی وعبادت کا سر جھکتا تھا۔

کیسا کڑا ایمان وامتحان کہ ایک طرف ظاہری وتکوینی تدابیر واسباب کو اختیار کرنے کا بھی امر واجازت، کہ ان کو عبث اور بے حکمت نہیں پیدا کیا گیا، دوسری طرف الا اللہ کا مطالبہ یہ کہ نظر اسباب پر نہیں مسبب الاسباب پر ہو، اور دل کا عقلی ومستقل تعلق غیر اللہ سے نہیں، فقط ایک اللہ سے ہو" دل بیار دست بکار" اب ہمارا عام حال بالکل برعکس، نظر تمام تر اسباب پر، دل دن رات الجھا ہوا خالی تدابیر میں، اللہ کا نام محض زبان پر اور بہتوں کے وہ بھی نہیں اور بہتوں کا یہ حال کہ گویا:

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ. فَإِنْ أَصَابَہٗ خَیْرُ نِ اطْمَأَنَّ بِہٖ وَإِنْ أَصَابَتْہُ فِتْنَۃُ نِانْقَلَبَ عَلٰی وَجْھِہٖ. خَسِرَ الدُّنْیَا وَالاٰخِرَۃَ ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ. یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہٗ وَمَا لَا یَنْفَعُہٗ ذٰلِکَ ھُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ" [الحج:۱۱،۱۲] (وہ ایمان کے بالکل کنارے کھڑے رہ کر اس طرح خدا کی پرستش وعبادت کرتے ہیں، کہ اگر کوئی دنیوی بھلائی یا نفع

File F:\Front.tif not found.

پہنچا تو اسی (ایمان) پر دل ٹھہرا یا مطمئن رہا، اور اگر کوئی آزمائش پڑ گئی تو الٹے منہ پھر گئے، (جس کی بدولت) دنیا و آخرت دونوں ہی کا خسارہ ہی خسارہ رہا، یہی کھلا ہوا خسارہ ہے کہ اب گھبرا کر اور اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کو پکارنے (یا عملاً معبود بنانے) لگ جاتا ہے، جو نہ کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، یہی تو انتہائی گمراہی کی بات ہے)۔

ہمارے اہل علم وزہد بھی توحید کے معاملہ میں عملاً کمزور ہی ہیں، ان جاہلوں، بدعتیوں کا ذکر نہیں جو پیر پرستی، قبر پرستی وغیرہ کے کھلے کھلے بت پرستانہ ومشرکانہ حرکات وخرافات میں گرفتار ہیں، ان کو بھی چھوڑیئے جو نماز وروزہ تک کا بھول کر نام نہیں لیتے، ہم میں سے اچھے اچھے اہل علم، صوم وصلوٰۃ ہی کے پابند نہیں، تہجد واشراق اور اوراد وظائف تک میں جن کے فرق نہیں آتا، وہ بھی مسجد و مصلیٰ سے باہر زندگی کے ہنگاموں اور جھمیلوں میں اپنے دلوں کو ذرا ٹٹول کر دیکھیں کہ دنیوی کاروبار، مالی ومعاشی معاملات میں جو کمزوریاں دانستہ وعلانیہ ہم سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں، کیا اس کا منشا توحید الٰہ کی اس کمزوری کے سوا کوئی دوسری چیز ہوتی ہے کہ ''دست بکار'' کے وقت ''دل بیار'' بہت کم کسی کا رہتا ہے، کہاں ربانی ایمان والوں کی یہ شان کہ عین میدانِ کارزار اور ان کے گھمسان میں بھی ان کے اندر کوئی کمزوری وبزدلی راہ نہیں پاسکتی ''وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا'' چہ جائیکہ عام دنیوی ومعاشی کاروبار یا تجارت وغیرہ کے ہنگاموں اور جھمیلوں میں ''دل بیار'' کے بجائے ''لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ'' یادِ یار سے ایسی بے توجہی اور لاپرواہی ہو کہ وہ یار کی ناراضی ونافرمانی کو جان بوجھ کر بھرے بازار میں خریدتے ہوں۔

ہاں! ہمارا روزہ نماز بھی کیسا بے جان ہو کر رہ گیا ہے، کہ نہ روزہ سے روزمرہ کے معاملات میں تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی پیدا ہوتی ہے، اور نہ نماز فواحش ومنکرات ''تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ'' سے باز رکھتی ہے، باز تو جب رکھے کہ وہ صحیح معنی میں اللہ کی ایسی بڑی یاد ہو ''وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ'' جو زندگی کے ہنگاموں میں بھی قدم قدم پر اس کی رضا کی جویاں اور اس کی ناراضی سے ترساں رکھے، نہ کہ مالی وجاہی نفع وضرر کے ذرا ذرا سے مواقع وخطرات پر ہمارے دل دھڑکتے اور قدم پھسلتے رہیں، کہا کرتا ہوں کہ پورے اسلام اور اس کی پوری کتاب قرآن کا پورا جامع ومانع ایسا اعجازی خلاصہ جو کہ کلامِ الٰہی ہونے کے سوا اور کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا، وہ سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں، اور ان سات آیتوں کا بھی جان و جوہر درمیانی آیت ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' ہے، باقی سیاق وسباق سب اسی کی تمہید وتتمہ ہے، اور اس ایک آیت کا مطلب عبادت واستعانت کے توحیدی انحصار واقرار یا وہی توحیدِ الٰہ کے سوا اور کیا ہے کہ ہم ہر طرح کے نفع وضرر کو بالکلیہ تیرے ہی قبضہ واقتدار میں جان کر صرف تیرے ہی آگے بندگی وعبادت کا سر جھکاتے اور سوال ومدد کا ہاتھ اٹھاتے ہیں، نماز نماز نہیں ''لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ'' جب تک اس توحید کا دن میں ایک دو بار نہیں، بیسیوں بار اقرار نہ کیا جائے، کیا یہ اقرار وتکرار صبح اٹھنے سے لے کر رات کے سونے تک جو ہم پر اس طرح فرض ہے کہ ہوش وحواس کے بقا کے ساتھ زندگی کے آخری لمحہ تک ایک دن کے لیے مہلت نہیں، محض اسی لیے ہے کہ مقررہ اوقات میں بس منتر کی طرح اس کو دہرا لیا جائے؟ یا یہ بار بار کی تذکیر و یاد دہانی کا مدعا یہ ہے کہ زندگی کی جاہی ومالی، معاشی اور کاروباری مشغولیتوں میں بھی ہم اپنے اس پیہم عہد واقرار کے تقاضوں کو نفع وضرر کے تمام موقعوں پر پورا کرتے رہیں؟ اور کیا ایسے لوگوں کی حکایت محض حکایت اور قصہ گوئی کے لیے پیش کی گئی ہے، جن کو بازار یا کاروبار کا انہماک بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتا؟ اور کیا حکایتی تعبیر کے علاوہ صاف صاف حکم وامر بھی سورۂ منافقون میں اسی کا نہیں دیا گیا کہ: ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ'' [المنٰفقون:۹] (ایمان لانے والو! (دیکھو ایمان لانے کا مطلب ولازمہ یہ ہے کہ) تم کو اموال و اولاد وغیرہ کے دنیوی مشاغل خدا کی یاد (واطاعت) سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو بھی ایسی غفلت میں پڑے گا (بالآخر) وہ سب کے سب خسارے (یا ٹوٹے میں) پڑ کر رہیں گے)۔

مفسر تھانوی علیہ الرحمہ نے بھی اس آیت کی تفسیر ہی نہیں تفسیری ترجمہ تک میں اموال واولاد سے پوری زندگی کے دنیوی مشاغل مراد لیے ہیں، اور ذکر اللہ یا یادِ خدا سے خالی زبانی ذکر و یاد نہیں، بلکہ ان دنیوی مشاغل میں خدا کے اوامر ونواہی کی فرمانبرداری یا اطاعت کی تصریح قوسین ہی میں فرمادی ہے، مطلب وہی کہ انسان کے دنیا وآخرت دونوں ہی میں زیاں وخسران سے بچاؤ کی سب سے مقدم شرط تو ایمان ہی ہے۔

''إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' اور ایمان بھی وہ زندہ ایمان جس کا شعور واحساس زندگی کے تمام فکری وعملی، جزئی وکلی، ظاہری وباطنی، انفرادی واجتماعی معاملات میں اپنے تقاضوں کو پورا کراتا رہا ہے۔

اس ایمان کے سب سے پہلے اور سب سے

بڑے جزء توحید الٰہ کی ایمانی حقیقت اور پھر اس کے مقابلہ میں ہمارے اسی ایمان کے نیم جان وبے جان ہونے کی کچھ سرسری کیفیت اوپر مذکور ہو چکی، اب آگے خسران سے بچانے والے اسی ایمان کے سب سے اہم جزء ایمان بالآخرت کی حقیقت وکیفیت کا ذرا جائزہ لے کر دیکھیے۔

خدا کا سائنسی اور فلسفیانہ تصور

خدا کا ایک تصور تو یہ ہے کہ کائنات اندھے بہرے مادّے کی پیداوار نہیں، اس کی خالق ایک دانا بینا ذات ہے، لیکن اس کا کام بس پیدا کر کے ختم ہو گیا، اس کے بعد کائنات اور انسان کے کاروبار سے پیدا کرنے والے کو کوئی سروکار نہیں، نہ تکوینی نہ تشریعی، سارا کارخانہ اپنے طبعی افعال وخواص کے تحت آپ ہی آپ چلتا رہتا ہے، خدا کے اس تصور تک عقل وفلسفہ کے ’’استدلالیوں‘‘ اور وحی ونبوت کے منکروں (Diest) کا پائے چوبیں بھی گرتے پڑتے کسی نہ کسی طرح بالعموم پہنچ ہی جاتا ہے، سائنس جس کی بنیاد ہی تمام تر مادہ ومادیت پر تھی، اس کی نظر میں بھی بیسویں صدی تک آتے آتے خود مادّہ ہی اتنا غیر مادّی ہو چکا ہے کہ اب مشاہیر سائنس کو بھی یہی ماننا پڑتا جا رہا ہے کہ کائنات کا سرچشمہ بے ذہن وبے شعور مادّہ نہیں بلکہ شعور وادراک والی کوئی ذہنی ذات (MIND) ہے۔

اس تصور کے نقائص

لیکن خدا کا یہ فلسفیانہ یا سائنسی تصور حقیقت میں ذات بلاصفات کا تصور ہے، یعنی نہ ہم کو یہ معلوم کہ اس ذاتِ خالق کی علاوہ خالق ہونے کے اور کیا صفات ہیں، یا جب کائنات کو اس نے جان بوجھ کر علم وارادہ سے پیدا کیا ہے، تو آخر اس سے اس کی معلوم ومتعین مراد کیا ہے، بے ذہن وبے شعور مادہ کو مبدأ تخلیق مان لینے میں اور جو بھی اشکالات ہوں، لیکن یہ سوال ہی سرے سے پیدا نہیں ہوتا کہ پیدا کرنے والے کا مقصد کیا ہے؟

ایک اور نیم عقلی اور نیم مذہبی تصور

دوسرا نیم عقلی ونیم مذہبی تصور یہ ہے کہ نہیں، خدا خالق ہونے کے علاوہ علم وقدرت، ارادہ ومشیت وغیرہ دوسرے صفات وکمالات سے بھی متصف ہے، اور کائنات وانسان کو اس نے جانے بوجھے یا معلوم ومخصوص مقصد ومدعا کے ساتھ پیدا کیا ہے، لیکن اپنی قدرت ومشیت ہی سے اس نے مخلوقات کو ایسے طبعی خواص وقویٰ عطا کر دیئے ہیں کہ اب اس کو بالذات وبراہ راست مداخلت ونگرانی کی ضرورت نہیں، اسی طرح انسان کو عقل واختیار عطا کر کے آزاد کر دیا ہے، کہ اپنے اختیار تمیزی سے کام لے کر اپنے معاملات کو معقول و مناسب تدابیر سے جس طرح چاہے چلاتا رہے، بلکہ اسی عقل وفکر یا بعض اور کشف وغیرہ کے روحانی و باطنی، فطری وخلقی قوتوں ہی سے کام لے کر خود خدا کی ذات وصفات کی معرفت اور نیکی وبدی کا علم بھی وحی ونبوت کے واسطہ کے بغیر ہی انسان حاصل کر سکتا ہے۔

مشرکانہ تصور

اسی سے ملتا جلتا تیسرا مشرکانہ تصور ہے، جس میں بجائے طبعی خواص وقویٰ کے یا ان کے ساتھ ساتھ خود خدا ہی کے مقرر کیے ہوئے ایسے نیم خدا درمیانی کارندے اور ایجنٹ لاتعداد دیوی دیوتا یا الٰہ مان لیے گئے ہیں جو خالق ومخلوق کے مابین مؤثر وسائط ووسائل کا کام دیتے ہیں، اور انسان نے اعتقاداً یا عملاً خدا سے ٹوٹ کر اپنے نفع وضرر کا سارا رابطہ ورشتہ انھیں نیم خداؤں سے جوڑ لیا اور لازماً انھیں کی پوجا پاٹ یا عبادت وپرستش میں لگ گیا۔

☆☆☆☆☆

اصحابِ علم وفکر کے لیے ایک ایمانی تحفہ
احتسابِ زندگی
(سورۂ انبیاء کی روشنی میں)
بقلم:- حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
صفحات: 168 قیمت:120
رابطہ
رابطہ: سید احمد شہید اکیڈمیٔ رائے بریلی
موبائل نمبر:9919331295

File F:\Front.tif not found.

فکر معاصر

دنیا کا رہبر کون؟

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

دوسری جنگ عظیم سے پہلے، یہود دنیا کے مختلف ملکوں میں منتشر تھے، وہ یورپ کے جس ملک میں بھی قیام کرتے فساد، بدامنی، جرائم، تشدد، قتل و غارتگری، دینی، سماجی اور اخلاقی بگاڑ کی جڑ سمجھے جاتے، ان کا کوئی وطن نہیں تھا، یہودیوں کی یہ حالت دیکھ کر کسی کو یہ توقع نہ تھی کہ یہ قوم کسی وقت کم تعداد میں ہونے کے باوجود ساری دنیا پر حکمرانی کرے گی، آج اسی کا دنیا کی سیاست، معیشت اور نظام حکومت پر کنٹرول وغلبہ ہے، عالمی سیاست انہی کے بنائے ہوئے خطوط پر چلتی ہے، سارے عالمی ادارے، تنظیمیں، سوسائٹیاں، فورم اور بین الاقوامی انجمنیں انہی کے اشارے پر کام کرتی ہیں، حتی کہ عالمی طاقتوں کے تعاون سے اقوام متحدہ میں اپنے مفادات کے خلاف قراردادوں کو ویٹو کروادیتے ہیں، بلکہ ساری دنیا صہیونی اصول و نظریات اور یہودی سیاست پر عمل کر رہی ہے، اور تمام نظامہائے حکومت صہیونی مفادات کی دانستہ یا غیر دانستہ خدمت کر رہے ہیں۔

دنیا کی سیاست میں اور خود یہودیوں میں اس تبدیلی اور انقلاب کی اصل بنیاد وہ خطرناک منصوبہ ہے جو پوری دنیا میں پھیلی ہوئی پچاس یہودی انجمنوں کے تین سو صہیونی دانشوروں، مفکروں اور فلسفیوں نے پوری دنیا پر حکومت کرنے اور بالادستی حاصل کرنے کے لیے انیسویں صدی کے اوائل میں تیار کیا تھا، اور پھر بیسویں صدی میں اس منصوبہ کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز طریقے اور ذرائع اختیار کیے گئے۔

۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے پال شہر میں تھیوڈر ہرٹزل کی قیادت میں ساری دنیا پر حکمرانی کا یہ منصوبہ جس وقت تیار کیا گیا تھا اس وقت یہودیوں کی حالت موجودہ حالت سے مختلف تھی اور ان کا یہ منصوبہ ایک حسین خواب سے زیادہ معلوم نہیں ہو رہا تھا، لیکن یہودیوں نے بڑی غیر معمولی ذہانت سے مختلف خانوں میں رنگ بھرنا شروع کر دیا، اور مختلف ذرائع (ذرائع ابلاغ اور ارتکاز دولت) سے بڑی حد تک اپنا ہدف حاصل کر لیا، تسخیر عالم کے اس منصوبہ میں جہاں یہ طے کیا گیا تھا کہ تمام دنیا پر حکمرانی کے لیے سونے کے ذخائر پر قبضہ کرنا ضروری ہے، وہیں اس منصوبہ میں ذرائع نشر و اشاعت کو بھی بنیادی اہمیت دی گئی تھی صہیونی دانشوروں کی دستاویزات کی بارہویں دستاویز میں صحافت کی غیر معمولی اہمیت، اس کی تاثیر وافادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"اگر ہم یہودی پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے سونے کے ذخائر پر قبضہ کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دیتے ہیں تو ذرائع ابلاغ بھی ہمارے مقاصد کے حصول کے لیے دوسرا اہم درجہ رکھتے ہیں۔ ہم میڈیا کو اپنے قبضے اور قابو میں رکھیں گے، ہم اپنے دشمنوں کے قبضہ میں کوئی ایسا موثر اور طاقتور اخبار نہیں رہنے دیں گے کہ وہ اپنی رائے کو موثر ڈھنگ سے ظاہر کر سکیں اور نہ ہی ہم ان کو اس قابل رکھیں گے کہ ہماری نگاہوں سے گزرے بغیر کوئی خبر سماج تک پہنچ سکے، ہمارے قبضہ وتصرف میں ایسے اخبارات ورسائل ہوں گے جو مختلف گروہوں اور جماعتوں کی تائید و حمایت کریں گے، خواہ یہ جماعتیں جمہوریت کی داعی ہوں یا بغاوت کی حامی، حتی کہ ہم ایسے اخبارات کی بھی سرپرستی کریں گے جو انتشار و بے راہ روی، جنسی و اخلاقی انارکی، استبدادی حکومتوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی مدافعت اور حمایت کریں گے، ہم جب اور جہاں چاہیں گے قوموں کے جذبات کو مشتعل کریں گے، اور جب مصلحت دیکھیں گے انہیں پرسکون کر دیں گے، اس کے لیے صحیح اور جھوٹی خبروں کا سہارا لیں گے، ہم ایسے اسلوب سے خبروں کو پیش کریں گے کہ قومیں اور حکومتیں ان کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں، ہم یہودی ایسے ایڈیٹروں اور نامہ نگاروں کی ہمت افزائی کریں گے جو بدکردار ہوں اور ان کا مجرمانہ ریکارڈ ہو، ہمارا یہی معاملہ بدعنوان سیاستدانوں اور لیڈروں اور مطلق العنان حکمرانوں کیساتھ ہوگا، جن کی ہم خوب تشہیر کریں گے، ان کو دنیا کے سامنے ہیرو بنا کر پیش کریں گے، لیکن ہم جیسے ہی محسوس کریں گے کہ وہ ہمارے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہیں بس فوراً ہی ان کی ان برائیوں اور اخلاقی بدعنوانیوں کا اعلان کر دیں گے جن پر اب تک ہم نے پردہ ڈال رکھا تھا، اسطرح ہم ان کا کام تمام کر دیں گے تا کہ دوسروں کے لیے عبرت ہو، ہم یہودی، ذرائع ابلاغ کو خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ کنٹرول کریں گے، ہم دنیا کو جس رنگ کی تصویر دکھانا چاہیں گے وہ پوری دنیا کو دیکھنا ہوگا، جرائم کی خبروں کو ہم تفصیل سے غیر معمولی اہمیت دیں گے، تا کہ قاری کا ذہن تیار ہو، اس انداز سے کہ قاری کو مجرم کے ساتھ ہمدردی ہو جائے"۔

صہیونی دانشوروں نے ذرائع ابلاغ کی اہمیت کا ادراک بہت پہلے کرلیا تھا، ۱۸۶۹ء میں براگ شہر میں یہودی پاپائے اعظم راشورون نے ایک تقریر کے دوران میڈیا کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا تھا کہ: ”پوری دنیا پر حکومت کرنے کے لیے سونے کے ذخائر پر قبضہ کے بعد دوسرے نمبر پر صحافت پر قبضہ کرنا ضروری ہے“۔

چنانچہ ذرائع ابلاغ پر یہودی کنٹرول اور غلبہ کے اثر سے انسانی واخلاقی قدریں اور روایات یکسر بدل گئیں، ہر چیز کا پیمانہ بدل گیا، اعلی انسانی قدریں، اخلاق اور خیروخوبی کی صفات کو رذائل کا نام دیدیا گیا، اور رذائل، کمینہ خصلتوں اور بری عادات کو اعلی انسانی قدروں کے نام سے پیش کیا جانے لگا، صہیونی ذرائع ابلاغ (صحافت، لٹریچر، ریڈیو، ڈرامے، فلموں) نے دنیا کی نظروں میں یہودیوں کی خصوصیات بدلنے، ان کو مظلوم ثابت کرنے اور ان کی تمام قومی خصوصیات کو عربوں کے سر منڈھنے میں زبردست رول ادا کیا، اس طرح یہود ذرائع ابلاغ کا سہارا لے کر امریکی و یورپی قوموں کی نظر میں اپنے کو مظلوم قوم بنانے میں کامیاب ہوگئے، اور یورپی قوموں کے ذہنوں اور دلوں میں یہ بٹھا دیا کہ یہود ان کے دوست ہیں، اور یہودیوں کی حفاظت ومدد ان کا دینی فریضہ ہے، لہذا یورپی طاقتوں نے عالم عربی کے قلب میں یہودیوں کا وطن قائم کرادیا۔

اس منصوبہ بند سازش کے تحت پہلی بنیادی تبدیلی یہ واقع ہوئی کہ وہ نصرانی جو تاریخ کے ہر دور میں یہودیوں کو اپنے ملکوں سے جلاوطن کرتے رہے اور ان کو تاراج کیا، ان کا وہ عقیدہ ہی بدل گیا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو یہودیوں ہی نے مصلوب کروایا تھا، صہیونیوں کا یہ منصوبہ تھا کہ اس عقیدہ کو تبدیل کروائیں جو منجملہ اور دوسری باتوں کے نصرانیوں کو یہودیوں سے نفرت پیدا کرنے کا موجب رہا ہے، انہوں نے بیشمار صہیونی مفکرین اور یہودی دانشوروں کو نصرانی کلیسا کی روایات، قانون، اور ان کے عقائد کے بارے میں تربیت دلوائی، اور سازشیں کر کے ان کو نصرانی کلیسا میں اعلی مناصب دلوائے، پھر آہستہ آہستہ کلیسا کے اعلی حلقوں میں ان صہیونیوں کا اثر ونفوذ اتنا بڑھ گیا کہ انہوں نے اپنے منصوبہ کے مطابق نصرانیوں کے اس عقیدہ کو تبدیل کروادیا، ۱۹۶۴ء میں کیتھولک کلیسا کی اعلی ترین کونسل میں جو ویٹیکن میں منعقد ہوئی عیسائی پوپ اعظم نے یہودیوں کو حضرت عیسی علیہ السلام کو مصلوب کروانے کے الزام سے جو تاریخی طور پر ثابت ہے بالکل بری الذمہ قرار دے دیا اور یہ اعلان کردیا کہ ”نصرانیوں کو چاہیے کہ وہ یہودیوں کو مقہور اور لعنت زدہ قوم نہ سمجھیں، نصرانیوں کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ یہودیوں سے نفرت نہ کریں، اور ان کا استیصال نہ کریں“۔

نصرانی عقیدہ میں یہ تبدیلی بڑی اہمیت کی حامل ہے، اس سے یہودیوں کی فطانت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے منصوبے کس طرح ترتیب دیتے ہیں اور کس طرح ان پر عمل درآمد کرتے ہیں، کہ ذرائع ابلاغ اور دولت کے استعمال سے نصرانی کلیسا کا وہ الزام جو دو ہزار سال سے یہودیوں پر لگایا جارہا تھا کس طرح صاف کروالیا۔

صہیونیوں نے ذرائع نشرواشاعت یا انفارمیشن میڈیا میں اتنا اثرونفوذ حاصل کرلیا کہ یہودی میڈیا ہر مخالف لہر کو یہودیوں کے حق میں کردیتا ہے، یہی نہیں، بلکہ مخالفین کی تائید وہمدردی حاصل کرلیتے ہیں، یہودی میڈیا نے بہت سے سچے اور صحیح تاریخی حقائق بدل دئے، اور نئے نئے تصورات رائج کردئے، ہولوکوسٹ پر بحث یا لب کشائی کرنے پر بھی پابندی عائد کردی گئی، یہودی میڈیا یہودیوں پر کیے گئے مظالم کو ہولناک شکل میں پیش کرتا ہے، انکو معصوم پیش کیا جاتا ہے، سامی دشمنی کے نام پر یہودیوں کی تنقید اور ان کے کسی ظلم پر انگلی اٹھانا ممنوع بلکہ قابل سزا جرم قرار دے دیا گیا، گویا سامی صرف یہودی ہی ہیں، حالانکہ اصل سامی تو عرب ہیں، جبکہ عرب ہی ہر موقع پر ہدف ملامت بنتے ہیں، ان کے عقائد اور مقدسات کو نشانہ بنایا جاتا ہے، بلکہ عالمی اخبارات، مجلّات، رسائل، لٹریچر اور محفلوں میں عربوں کو سب وشتم کرنا محبوب ترین موضوع بن گیا ہے، عربوں اور مسلمانوں کے خلاف ہر جارحانہ کارروائی جائز، تشدد اور ظلم وجور روا، ان کا قتل عام کیا جائے تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، لیکن اگر کسی یہودی کو صرف خراش ہی لگ جائے تو کہرام مچ جاتا ہے، عالم اسلام کے موجودہ حالات اس کی واضح دلیل ہیں۔

اسی طرح قیدیوں کے حقوق اور اغوا اور قتل کے قوانین ہیں، ان میں بھی مسلمانوں کے ساتھ امتیاز برتا جاتا ہے، ان کے ساتھ انتہائی گھناونا، وحشیانہ اور جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے، گوانتانامو، ابوغریب اور دنیا کے مختلف علاقوں میں قائم امریکی خفیہ جیلوں میں قیدیوں کی ہولناک داستانیں اخبارات میں آتی رہتی ہیں، اور مہذب یورپی حکومتوں کا دوسرے ملکوں میں اپنے سیاسی مخالفین کو قتل کروادینا، یا ان کو اغوا کروالینا اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی، لیکن اگر دینا میں کہیں بھی کسی غیر مسلم، یہودی، عیسائی کا اغوا ہوجائے تو عالمی میڈیا آسمان سر پر اٹھالیتا ہے، اور چند نامعلوم افراد کے عمل کو اسلامی دشت گردی سے جوڑ دیا جاتا ہے، اور عالمی سطح پر ان اغواشدہ افراد کو چھوڑانے کی کوششیں کی جاتی ہیں، چند سال پہلے

مریکہ نے یہ اعلان کیا کہ اسے یہ قانونی حق حاصل ہے کہ وہ جب اور جہاں چاہے کسی کو اغوا کر سکتا ہے، اور اس کے سپریم کورٹ نے بھی اس توثیق کر دی، اسی کے بعد امریکہ نے برطانیہ کو وارننگ دی کہ امریکہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی کیس میں مطلوب کسی شخص کو دنیا میں کہیں سی بھی اٹھا سکتا ہے، حالانکہ بین الاقومی قانون یہ ہے کہ اگر کوئی غیر ملکی کسی ملک میں کوئی جرم کرتا ہے اور سزا کا بھی مستحق ٹھہرتا ہے تو اسے اس کے ملک واپس کر دیا جاتا ہے۔

امریکہ صہیونیوں کے بنائے ہوئے خطوط پر چل رہا ہے اور پوری دنیا پر تسلط اور اقتدار حاصل کرنے لیے تشدد اور دہشت گردی کا وہی طریقہ اختیار کر رہا ہے جو صہیونیوں نے قیام اسرائیل کے بعد اپنایا کہ بڑی تعداد میں نازی لیڈروں کو اغوا کر کے اسرائیل لائے، ان پر مقدمہ چلایا اور پھر موت کے گھاٹ اتار دیا، اسی طرح یورپ اور خصوصاً امریکہ میں سیکڑوں مسلم دانشوروں، مفکروں اور دعوت اسلامی کا کام کرنے والوں کو اغوا کر کے ختم کر دیا گیا، اور عراق، شام، لیبیا اور مصر میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے کہ جہاں نام نہاد دہشت گردی کا الزام لگا کر بڑی تعداد میں مسلم اہل عقل ودانش اور اسلامی ذہن رکھنے والوں کا صفایا کر دیا گیا، لیکن عالمی میڈیا نے اس پر پردہ ڈال دیا اور خاموشی اختیار کر لی۔ اس سے پہلے بھی مختلف یورپی ممالک اور امریکہ کے زیر اثر ملکوں سے اسلامی ذہن رکھنے والوں کو اغوا کر کے امریکہ لایا گیا جو آج بھی بغیر مقدمہ کے امریکی جیلوں میں قید وبند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں۔ بہت پہلے ہی یہ قانون بنایا جا چکا ہے کہ بغیر مقدمہ چلائے کسی قیدی کی مدت سزا نہ بڑھائی جائے، اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی منشور میں بھی یہ دفعہ داخل ہے، لیکن عالمی طاقت غرور وتکبر اور طاقت کے نشہ میں اس قانون کا احترام نہیں کرتی، چنانچہ ہزاروں کی تعداد میں بے گناہ ومعصوم افراد دنیا کے مختلف ملکوں کی جیلوں میں بغیر کسی مقدمہ کے سڑ رہے ہیں اور سخت ترین ایذا رسانی اور تعذیب سے دوچار ہیں۔

اسرائیل کی دہشت گردی اور جارحانہ پالیسی کی ایک مثال انسانی آبادی والے علاقوں پر بمباری کرنا ہے، جو کہ بین الاقوامی قانون کی رو سے ممنوع ہے، لیکن اسرائیل شروع ہی سے اس مجرمانہ عمل کا مرتکب ہو رہا ہے، اور فلسطین پر علانیہ بمباری کرتا رہتا ہے، اور انسانی حقوق کی تنظیموں کے احتجاج اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور جب مسئلہ سلامتی کونسل میں پیش کیا جاتا ہے تو امریکہ ویٹو پاور استعمال کر کے اسرائیل کی پشت پناہی کرتا ہے، خود امریکہ بھی اسرائیلی سیاست پر عمل پیرا ہے، چنانچہ اس کے بمبار جہاز عراق، افغانستان، شام، لیبیا اور سرحدی علاقوں پر بم برساتے رہتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ہزارہا ہزار بے گناہ مرد اور عورتیں اور معصوم بچے درندگی کا شکار ہو جاتے ہیں، لیکن عالمی میڈیا ان انسانیت سوز واقعات کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے گویا کہ کچھ ہوا ہی نہیں، اور دوسری طرف اکادکا انفرادی خودکش حملوں کو عالمی امن وامان کے لیے بڑا خطرہ بنا کر پیش کرتا ہے۔

انفارمیشن میڈیا پر غلبہ وکنٹرول حاصل ہو جانے کے بعد اسرائیل نے عالمی سراغرساں ایجنسیوں پر بھی کنٹرول حاصل کر لیا، چنانچہ اسرائیلی اور صہیونی خفیہ ایجنسیاں یہودی مفادات کی خاطر دنیا میں سیاسی انتشار وخلفشار اور بے چینی وبے اطمینانی پیدا کرنے کے لیے مختلف علاقوں میں تشدد اور دہشت گردانہ کارروائیاں کراتی ہیں اور پھر عالمی ذرائع ابلاغ یہودی میڈیا کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اسلامی تنظیموں کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں، اور امن وسلامتی سے متعلق ادارے بھی صہیونی اثر ونفوذ کی وجہ سے ایک خاص طبقہ کے خلاف کارروائی کرتے ہیں، حالیہ برسوں میں مختلف علاقوں میں پیش آنے والے دہشت گردانہ واقعات کے متعلق انگریزی اخبارات میں ایسی رپورٹیں شائع ہوئیں جن میں قوی دلائل کے ساتھ ان واقعات میں براہ راست امریکہ کا ہاتھ ہونا بتایا گیا ہے، لیکن عالمی میڈیا نے ان رپورٹوں کو نظر انداز کر دیا اور سیاسی اسباب کی بنا پر سیکورٹی محکموں نے بھی ان پر کوئی توجہ نہیں دی۔

اسی طرح نام نہاد اسلامی دہشت گردی بھی صہیونی دماغ کی اختراع ہے جس کا یہودی اور عالمی میڈیا اور ایجنسیوں نے اتنے زور شور سے پروپیگنڈہ کیا کہ موجودہ دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا اور ۹/۱۱ کے واقعہ کے بعد تو صہیونی لابی نے امریکہ اور خود عالم اسلام کو اس نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ پر آمادہ کر دیا، حالانکہ خود یورپی میڈیائی رپورٹوں سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ۹/۱۱ کا واقعہ صہیونی سازش ہے۔

عالمی سیاست میں صہیونی اثر ونفوذ کی یہ چند مثالیں ہیں، انسانی قدروں اور انسانی حقوق کی پامالی اور خلاف ورزی کے واقعات دنیا کے مختلف علاقوں عام ہو چکے ہیں، ایک مثل مشہور ہے کہ ”لوگ اپنے حکمراں کے دین کے تابع ہوتے ہیں“ اور گلوبلائزیشن کے عہد میں دوسری حکومتیں بھی وہی کر رہی ہیں جو کچھ امریکہ اور اسرائیل میں ہو رہا ہے، گویا ساری دنیا ایک حکمراں کے ماتحت ہے یا ایک رہبر کے نقش قدم پر چل رہی ہے، اور وہی بات کہے جا رہی ہے جو یہودی میڈیا کہلوا رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

کاروان رفتگاں

عصر حاضر کے امیر کاروانِ حدیث

حضرت مولانا محمد یونس جونپوری رحمہ اللہ

ایک ناتمام جھلک!

● ....مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی

نحمده ونصلي على رسوله الكريم.

أما بعد!

سہ شنبہ ۱۶رشوال ۱۴۳۸ھ کی صبح، ایک غیر معمولی اور الم ناک صبح تھی، جس میں دنیا بھر کے لاکھوں علماء، محدثین اور حدیث شریف سے انسیت اور رابطہ رکھنے والے بے شمار افراد کے سروں سے ایک بڑا سہارا، رخصت ہوا اور وہ گویا علمی طور پر یتیم ہوگئے۔ یہ محدث یگانہ، امام زمانہ، حضرت مولانا محمد یونس جونپوری کا حادثۂ وفات تھا جو اچانک پیش آیا اور پوری دنیا میں غم والم کی ایک نہ ختم ہونے والی یاد چھوڑ گیا۔

یہ کسی ایک شخص کی وفات کا صدمہ نہیں تھا، ایک بحر علم کی روانی تھم جانے اور اس سے براہ راست فیض کا دروازہ بند ہونے کا ماتم تھا، ایسا ماتم اور ایسی کیفیت جو نہ صرف لفظاً بلکہ حقیقتاً "موت العالم موت العالم" کی مصداق ہو، تاریخ میں بہت کم ہوئی ہے۔

ایسے افراد کہ جن کے دنیا سے رخصت ہونے پر پوری دنیا کی علمی محفلوں میں رنج وغم کی گھٹائیں چھا گئی ہوں اور ہر ایک نے اس کا صدمہ اور وفات کا رنج اپنے دل میں محسوس کیا ہو اور ہر ایک حساس شخص کو لگا ہو کہ جیسے زمین ہل گئی اور دنیا سے کوئی بڑا وجود، بہت بڑی شخصیت اور علم وفضل کا غیر معمولی تاجدار رخصت ہوگیا۔ ایسے لوگ پوری دنیا میں بہت کم ہوئے ہیں اور ہندوستان میں تو اور بھی کم، جن کا دنیا بھر میں مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک صدمہ محسوس کیا گیا ہو اور چھوٹوں نے نہیں بلکہ بڑے بڑے، بہت بڑے مایۂ ناز علماء اور اہل درس وافادہ خصوصاً حدیث کے طلباء، اساتذہ اور جلیل القدر محدثین کرام نے گہرا صدمہ محسوس کیا ہو، اور اس کا اپنی تحریروں اور کلمات میں اظہار کیا ہو کہ وہ ایک حد تک بے سہارا اور یتیم ہوگئے۔

ابن رجب نے ذیل طبقات حنابلہ میں لکھا ہے کہ بعض سیاحوں، مسافروں سے سنا ہے کہ جب وہ چین پہنچے تو وہاں کے شہروں میں "الصلاة على ترجمان القرآن" کے نعرے بلند تھے اور حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی غائبانہ نماز جنازہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

یہ بات ہمارے قریبی دور میں غالباً صرف دو شخصیتوں کے لئے اس وسعت اور شدت قوت کے ساتھ کہی گئی، پہلی شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تھی، جن کو یہ سعادت واعزاز حاصل ہوا کہ رمضان کی مبارک ومقدس راتوں میں، حرمین شریفین میں مولانا کی غائبانہ نماز جنازہ ہوئی اور ان عالی مرتبت اور بابرکت مقامات کے علاوہ دنیا کے متعدد مقامات اور ملکوں میں حضرت مولانا کی بار بار نماز پڑھی گئی۔ پاکستان کے حکمراں، جنرل ضیاء الحق کے ساتھ بھی تقریباً یہی معاملہ ہوا، اب پھر یہ واقعہ دہرایا گیا کہ استاذنا الجلیل، محدث کبیر، حافظ وناقد بصیر، حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمہ اللہ ۱۶رشوال ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱راپریل ۲۰۱۷ء کی صبح معمولی علالت کے بعد، اپنے بیسیوں ہزار شاگردوں اور لاکھوں مستفیدین اور محبت کرنے والوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر، اس دار فانی سے دار البقاء کو رحلت کر گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وهذا الذی لا یأتی الزمان بمثله
ان الزمان لمثله لبخیل

مولانا کی وفات کی خبر ایک صاعقۂ آسمانی تھی، جو لمحوں میں پوری دنیا میں گونج گئی اور اسی وقت سے حضرت مولانا کے متعلق جو تأثرات، تعزیتی تحریریں اور خطوط میڈیا اور ذرائع ابلاغ پر آنے شروع ہوئے تھے، اس کا سلسلہ اب تک جاری ہے، غالباً ستر، پچھتر تحریریں آچکی ہیں، توقع ہے کہ یہ سلسلہ دیر تک جاری رہے گا۔ حضرت مولانا پر لکھنے والوں میں حرمین شریفین کے جلیل القدر علماء، محدثین اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کبار اساتذۂ حدیث اور وہ اساتذہ اور علماء شامل ہیں کہ جو خود اپنے خطوں، ملکوں میں مرجع علماء اور اہل کمال ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ خبریں ہیں کہ حضرت مولانا کی غائبانہ نماز جنازہ، ملکوں ملکوں پڑھی گئی، یورپ، امریکہ اور افریقہ کے متعدد ملکوں میں، جس میں مراکش، تیونس [جامعہ زیتونیہ میں] سوڈان، متعدد عرب ممالک، برازیل، کناڈا، یہاں تک کہ تھائی لینڈ جیسے علاقے میں غائبانہ نماز جنازہ کا اہتمام کیا گیا، ان

File F:\Front.tif not found.

کے علاوہ اور ملکوں میں بھی نماز جنازہ ہوئی ہوگی، مگر مجھے سب کا علم نہیں۔

یہ اس شخص کا ماتم ہے، جس نے پوری زندگی ایک مدرسہ کے حجرے میں، معمولی فرش اور ٹاٹ پر بیٹھ کر، لیٹ کر گزار دی۔ اور دنیا کے تمام منافع، مصلحتوں، مادیات اور ضروریات سے بلند ہوکر صرف رضائے حق اور عشق نبوی میں چور ہوکر، اپنا دامن خدمت حدیث نبوی سے وابستہ کرلیا اور اس طرح کیا کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ، سارا عیش و آرام، دنیا کی ساری تمنائیں اس کے لئے قربان کردیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا بھی اس طرح کہ ہند، پاکستان، بنگلہ دیش تو کیا، پوری دنیائے اسلام میں ان جیسے حدیث کے عالم دوچار ہوں تو ہوں، غالباً اس سے زیادہ نہیں۔

حضرت مولانا کے لئے حدیث شریف کے جملہ علوم، تمام مباحث اور کہنا چاہئے کہ اکثر کلیات اور جزئیات گویا بالکل پانی ہوگئے تھے، روایت حدیث، درایت حدیث، فہم حدیث، شرح حدیث، اصول حدیث، رجال حدیث، اسانید حدیث، مراتب حدیث اور مراتب رواۃ ومحدثین کا ایک ایک گوشہ اور عنوان نہیں، تمام ہی عنوانات اور تمام ہی مباحث ہر وقت مستحضر، پیش نظر اور نوک زباں رہتے تھے، جب جس کو چاہا، جدھر ذہن گیا، اس کے تمام ابواب کھلتے چلے گئے، اس کا ہر ایک پہلو واضح ہوتا گیا۔ ان موضوعات سے واقفیت، بلکہ ان کی بڑی خبر اور ان میں واضح بصیرت رکھنے والے بھی، جب یہ باتیں سنتے تو سبحان اللہ وأحسنت کہہ اٹھتے، اور اس کا اعتراف کرتے کہ ہم نے بہت کچھ نیا سنا اور جانا ہے۔ میں نے خود مولانا سے ایک سے زائد مرتبہ سنا ہے کہ اللہ کے فضل وکرم سے، حدیث شریف کی معروف کتابوں اور دستیاب ذخیرے میں کوئی حدیث ایسی نہیں ہے، جس پر میری نظر نہ ہوا اور اس کے رجال و سند کے تمام عنوانات میرے سامنے موجود نہ ہوں۔ اس تبحر اور وسعت نظر کا کچھ اندازہ تو اسباق میں ہوتا اور زیادہ تر اس وقت جب کوئی بڑے عالم بہت بڑے محدث تشریف لاتے، اس وقت جب مولانا گہر افشاں ہوتے تو بڑے سے بڑے اساتذہ اور علماء [میں نے بھی دیکھا ہے اوروں نے بھی دیکھا ہے]اس وسعت نظر اور استحضار سے حیران وششدر ہوکر اٹھتے اور یقیناً زبان حال سے کہتے ہوں گے:

پیدا کہاں اب ایسے پراگندہ طبع لوگ
شاید کہ تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

حضرت مولانا نے زندگی کا بڑا حصہ نہایت عسرت اور غربت میں گذارا، زندگی کی عمومی ضروریات اور وسائل کی تو بات ہی کیا، بارہا ایسا ہوا کہ کھانے کو بھی کچھ نہیں ہے، دوا کو بھی پیسے نہیں ہیں۔ مگر علم کا شوق تھا جو روز افزوں رہا، ایک پیاس تھی بڑھتی جارہی تھی۔

وطن، ولادت اور کچھ ابتدائی حال:

مشرقی یوپی کے ایک بہت مشہور اور علمی دنیا میں ممتاز خطے جونپور[۱] کے ایک بہت چھوٹے سے اور غیر معروف گاؤں چوکیہ میں، نسبۃً پڑھے لکھے لوگوں میں سے ایک، شبیر احمد صاحب کے گھر میں ایک بچہ، ۲۵/رجب ۱۳۵۵ھ [۲/اکتوبر ۱۹۳۷ء] میں تولد ہوا، بڑوں نے محمد یونس نام رکھا، جس کی اس وقت واحد خوبی یہ تھی کہ وہ نہایت خوبصورت جاذب نگاہ اور جاذب توجہ تھا، خاندان اور اس کے گھر کے لوگ اس کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ اس وقت کسے اندازہ تھا کہ یہ بچہ پوری دنیائے علم پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکے گا، اور اس کی علمی ضیاباریوں سے پورا عالم اسلام، خصوصاً حدیث نبوی شریف کی محفلیں، اساتذہ کرام اور طلباء شاداب وسرشار ہوجائیں گے، یہ بچہ اپنے ماں باپ کا پہلا بچہ تھا، اس لئے دونوں اس پر اپنی اپنی محبتیں نچھاور کرتے رہتے تھے، مگر جیسا کہ اکثر بڑے اہل کمال اور ان لوگوں کے ساتھ ہوا، جن سے اللہ تعالیٰ نے دین کی بڑی خدمت لی ہے کہ تقریباً پونے چھ سال کی عمر میں ماں کا مبارک ومقدس سایہ سر سے جاتا رہا اور یہ بچہ جو گھر بھر کا دلارا تھا، اچانک سب کی نگاہوں میں اجنبی بن گیا، ماں رخصت ہوگئیں بہن کوئی تھی ہی نہیں، اس وقت نانی نے آگے بڑھ کر، اس کو اپنی آغوش میں لیا، نانی صاحبہ باخدا خاتون اور بھلائیوں کا مجموعہ تھیں، انہوں نے اس بچہ کی پوری طرح پرورش ونگہداشت اور اس طرح نگرانی اور دینی علمی تربیت کی کہ یہ بچہ آگے چل کر آفتاب عالم تاب بنا۔

تعلیم، ابتدا سے متوسط کتابوں تک:

مولانا کی عمر تقریباً ساڑھے چھ سال کی ہوگی، مولانا کی نانی صاحبہ اپنے بیٹے کو مکتب میں جانے پر تنبیہ کررہی تھیں، مولانا نے خود ہی کہا کہ میں بھی مکتب جاؤں گا، اس لئے حضرت مولانا کو ان کے ماموں کے ساتھ گاؤں سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقع مکتب میں تعلیم کے لئے بھیج دیا گیا، ایک ڈیڑھ میل کا لمبا سفر، کمسن بچے نے کچھ چل کر، کچھ دوڑ کر، اور کچھ اپنے ماموں

کے کندھے پر سوار ہو کر پورا کیا، مگر اس مکتب میں زیادہ تعلیم نہیں ہوئی، آنا جانا تو رہا لیکن پڑھائی کا سفر یہاں آگے نہیں بڑھا۔ یہاں سے ایک اور مکتب میں داخلہ ہوا، وہاں قاعدۂ بغدادی پڑھا، مکمل کیا، مگر ماموں صاحب کا تعلیمی سلسلہ چھوٹ گیا تھا، اس لئے اس مکتب سے بھی رابطہ منقطع ہوا، اسی دور میں مانی کلاں میں ایک اسکول میں داخلہ لیا، پہلی دوسری کلاس پڑھی، تیسری میں پڑھ رہے تھے کہ والد صاحب نے یہ کہہ کر تعلیم چھڑا دی تھی کہ انگریزی کا اب دور نہیں رہا، ہندی میں پڑھانا نہیں چاہتا۔ دوبارہ ایک اور مدرسہ میں داخل کئے گئے، وہاں تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھا، گاؤں کے مدرسہ میں جس کا نام ''ضیاء العلوم'' تھا، مولوی نور محمد صاحب سے تعلیم الاسلام کے کچھ سبق پڑھے تھے، یہ استاذ وطن سے پاکستان چلے گئے تھے۔ اس لئے یہاں بھی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوا۔ تقریباً تیرہ سال کی عمر میں معروف مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں میں پہنچے، [مانی کلاں، مولانا کا وطن نہیں، مولانا کا وطن تقریباً وہاں سے تین میل دور، ایک اور گاؤں جوکیہ تھا] ضیاء العلوم، مانی کلاں میں ابتدائے فارسی سے، فارسی درس کی منتہیانہ کتاب، سکندر نامہ تک فارسی مکمل کی اور ابتدائی عربی درسیات سے متوسط کتابوں، شرح وقایہ، نور الانوار، مختصر المعانی، اور مقامات حریری تک، سب کتابیں اسی مدرسہ میں مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری او رمولانا ضیاء الحق صاحب فیض آبادی سے پڑھیں۔[۲]

مولانا ضیاء الحق فیض آبادی کی شفقت اور توجہ:

مولانا ضیاء الحق صاحب حضرت مولانا پر نہایت شفقت فرماتے تھے، دینی، اخلاقی تربیت اور اسباق ہر ایک پر پوری توجہ فرمائی اور اس عزیز شاگرد کو ہر ایک کتاب بلکہ ہر ایک فن میں باکمال بنا دیا۔ مولانا ضیاء الحق صاحب کی انتہائی آرزو تھی کہ یہ بچہ [مولانا محمد یونس] پڑھ لے، جس کے لئے ہمیشہ فکر مند اور مولانا کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لئے مضطرب رہتے تھے۔ مولانا ضیاء الحق صاحب نہیں چاہتے تھے کہ مولانا یونس صاحب کا کوئی سبق ناغہ ہو، وہ درس سے غیر حاضر ہوں یا کسی کتاب اور مضمون میں پیچھے رہ جائیں۔ اس سے بہت ناخوش ہوتے اور مولانا کو بہت محبت سے اس کی تلافی پر تیار کرتے رہتے تھے۔

یہ مولانا ضیاء الحق صاحب کی انتہائی شفقت و دل نوازی، یا کہنا چاہئے کہ جوہر شناسی اور مستقبل بینی تھی کہ انہوں نے حضرت مولانا پر ایسی توجہ فرمائی، مولانا کے اسباق کی تکمیل پر اس قدر محنت کی کہ وہ اُس نوعمری میں نہ صرف اپنی جماعت میں، بلکہ اپنے سے بہتر طلباء میں بھی ممتاز ہو گئے تھے۔ ایک دو مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ مدرسے اور طلباء کی جماعت میں اختلافات ہوئے، مدرسہ میں تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوا یا جماعت ٹوٹ گئی، بچے دوسرے مدرسوں میں چلے گئے یا ادھر ادھر ہو گئے، لیکن مولانا ضیاء الحق صاحب کی مولانا پر توجہ روز افزوں رہی، جو اسباق چھٹے، وہ مولانا کو مکرر پڑھائے جس کتاب کے ناقص رہنے کا ڈر ہوا اس کا درس دیا اور حضرت مولانا کو کسی وقت بھی درس و تعلیم سے دور نہیں ہونے دیا، اور یہ سب کتابیں، ان کے تمام موضوعات اور قواعد و ضوابط اس طرح پڑھائے کہ مولانا کے دل و دماغ میں پیوست ہو گئے، علم کی اک شمع روشن ہو گئی تھی، جس نے ہر وقت بے تاب و بے چین کئے رکھا یہی بے چینی مولانا کو ہر لمحے علمی صلاحیتوں کے بڑھانے اور درس و تعلیم کے مطالبات پورا کرنے پر اکساتی اور متوجہ کرتی رہی۔ یہ مولانا ضیاء الحق صاحب کی عنایت ہے کہ انہوں نے اس جوہر قابل کو پہچانا، اور اس سنگ ریزے کو تراش کر ایسا مصفی مجلی فرمادیا کہ بعد میں اس کی تابانیاں دنیا کی نگاہوں کو خیرہ کرتی رہیں۔

مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ:

مانی کلاں کے مدرسہ سے تعلیم پوری ہونے کے بعد اساتذہ کی رائے مظاہر علوم جانے، داخلہ لینے اور تعلیم مکمل کرنے کی ہوئی، چنانچہ مولانا شوال ۱۳۷۷ھ [مئی ۱۹۵۸ء] میں چند طلباء کے ساتھ مظاہر علوم آئے اور اس شان سے آئے کہ ایک دو معمولی کپڑوں اور پانچ روپئے کے علاوہ کچھ بھی ساتھ نہیں تھا، لیکن مولانا کے دل میں طلب علم کا جو شوق اور تعلیم کی جو بے نہایت تمنا تھی، اس کے سامنے ان ضرورتوں اور چھوٹی موٹی باتوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

مولانا نے مدرسہ مظاہر علوم میں پہلے سال میں جلالین، ہدایہ اولین، میبذی پڑھی، سال دوم میں بیضاوی، مشکوۃ المصابیح، ہدایہ ثالث اور سلم العلوم وغیرہ مکمل کیں، اور تیسرے سال یعنی شوال ۱۳۷۹ھ سے شعبان ۱۳۸۰ھ [اپریل ۱۹۶۰ء، فروری ۱۹۶۱ء] تک دورۂ حدیث شریف پڑھا، بخاری شریف، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سے، صحیح مسلم مولانا منظور احمد خاں صاحب سے، ترمذی مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی سے پڑھ کر دورۂ حدیث مکمل کیا، شوال ۱۳۸۱ھ [اپریل ۱۹۶۱ء] میں ہدایہ رابع، درمختار کے علاوہ

File F:\Front.tif not found.

معقولات کی ایسی چند کتابیں جو اس وقت کے نصاب درس سے بھی تقریباً خارج ہوچکی تھیں، صدرا، شمس بازغہ، شرح چغمینی، رسالہ اقلیدس اور خلاصۃ الحساب حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب سے پڑھیں اور ان میں بھی اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہوئے۔

مظاہر علوم میں تقرر اور اسباق:

تکمیل تعلیم کے فوراً بعد اہل مدرسہ نے اعلیٰ ترین علمی قابلیت، صلاحیت کی وجہ سے، مظاہر علوم میں معین مدرس کے عنوان سے مدرسہ میں معمولی وظیفہ پر تقرر کردیا، یہ تقرر شوال ۱۳۸۱ھ [اپریل ۱۹۶۲ء] میں ہوا تھا، پہلے سال میں شرح وقایہ اور قطبی پڑھانے کا موقعہ ملا، دوسرے سال میں بھی یہی کتابیں تھیں، تقرر کے تیسرے سال تیس روپئے خشک [یعنی بلاطعام] تنخواہ مقرر ہوئی، مقامات حریری اور قطبی کے اسباق سپرد ہوئے، شوال ۱۳۸۴ھ [مارچ ۱۹۶۵ء] میں قطبی کے علاوہ ہدایہ اور اصول الشاشی پڑھانے کی خدمت سپرد ہوئی، زمانۂ طالب علمی میں جو کچھ پڑھا وہ سب مستحضر اور نوک زباں تھا، اور مظاہر علوم میں تعلیم کے ابتدائی دور سے ہمہ وقت مطالعہ میں غرق رہنے کا معمول تھا، جو وقت کے ساتھ ساتھ تیز رفتاری سے بڑھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب ہدایہ اولین پڑھائی تو اس پر مفصل مقدمہ لکھا ، اور اصول الشاشی پڑھانے کے دوران، اس کی روایات واحادیث کی مفصل تخریج کی۔

مشکوٰۃ شریف کا درس:

شاید یہ اسباق اسی ترتیب سے کچھ آگے چلتے، کہ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ [اپریل ۱۹۶۶ء] میں مظاہر علوم کے صدر مدرس اور مولانا کے محبوب استاذ، مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی جو عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں وطن گئے تھے، معمولی علالت کے بعد وفات پاگئے، اس لئے مدرسہ میں اعلیٰ کتابوں کے پڑھانے کی ترتیب فوراً تبدیل ہوئی، ترمذی شریف کا سبق جو صدرالمدرسین کی ذمہ داری ہوتا ہے، مولانا مفتی مظفر حسین صاحب کے یہاں منتقل ہوا، اور مفتی صاحب جو کتاب، مشکوٰۃ المصابیح پڑھا رہے تھے، وہ نوعمری اور تازہ مدرس ہونے کے باوجود، مولانا یونس صاحب کے سپرد کی گئی۔ حضرت مولانا نے کتاب الکبائر سے مشکوٰۃ کے سبق کا ، یا یوں کہئے کہ مظاہر علوم میں حدیث شریف کے درس کا آغاز کیا، اس سبق سے حضرت مولانا کی فطری صلاحیتوں ، حدیث شریف کے غیر معمولی ذوق، وسعت نظر، اور بلند پروازی کا اہل مدرسہ اور طلباء کو اندازہ ہوا، اور اسی وقت محسوس ہوگیا تھا کہ یہ طائر بلند پرواز عام گزرگاہوں پر اپنا نشیمن نہیں بنائے گا، اس کے آفاق اوروں سے بہت وسیع اور اس کی منزل اوروں سے کہیں بالاتر ہے۔

حواشی:

۱- یادش بخیر جونپور، شاہان شرقیہ کی حکومتوں کا مرکز، علم وفضل، تحقیق وتصنیف اور بلند پروازی کا ایک ایسا غیر معمولی مرکز تھا، اور یہاں علمائے کبار، محققین ومصنفین اور صوفیاء کے ایسے جم گھٹے رہتے تھے اور بستی بستی ان کے ایوان علم بلند اور مائدۂ فضل وکمال بچھے رہتے تھے، دنیا بھر کے لوگ آکر ریزہ چینی کرتے اور خود منور وباکمال ہوجاتے تھے۔ جونپور کے لئے مؤرخین اور اہل علم وکمال نے شیراز ہند کی تعبیر اختیار کی ہے، جو بلاشبہ صحیح ہے، ہمارا دور بھی اس کی تصدیق کررہا ہے کہ جونپور کی مٹی نے اس بے علمی اور تمام علمی ریاستوں اور صفات مٹ جانے کے باوجود، اپنے علمی مرتبہ اور منتخب مباحث وفنون میں اپنے غیر معمولی تفوق اور امتیاز کا بار بار مظاہرہ کیا ہے، ہمارے قریب کے دور میں، مولانا ابوبکر شیث جون پوری، پروفیسر رشید احمد صدیقی، مولانا ابوالعرفان صاحب [استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ] اور پروفیسر محمد شفیع صاحب [مسلم یونیورسٹی علی گڈھ] جو جغرافیہ کے شعبہ کے سربراہ اور بین الاقوامی شہرت کے جغرافیہ داں تھے، اور بھی ایسے متعدد اصحاب کے نام یاد آرہے ہیں مگر یہاں ان سب کی گنجائش نہیں۔ جونپور کی علمی، تاریخ وہاں کے بادشاہوں [شاہان شرقیہ] کے کارناموں اور علم وفضل کی بہاروں کا مؤرخین نے تفصیل سے اور پرکشش تذکرہ کیا ہے۔ اردو میں اس موضوع پر دو کتابیں بطور خاص لائق مطالعہ ہیں:

(۱) چراغ نور، اردو ترجمہ تاریخ ظفر آباد۔ ازعلی ضامن ترمذی [۱۹۳۲ء]

(۲) تاریخ شیراز ہند، جونپور
تالیف: سید اقبال احمد جون پوری، دو جلدیں تقریباً دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

(۳) مآثر الکرام تالیف، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی

۲- مولانا ضیاء الحق صاحب بھی مدرسہ مظاہر علوم کے فاضل اور میرے والد ماجد، حضرت مولانا مفتی افتخار الحسن صاحب کاندھلوی کے دورۂ حدیث میں ہم سبق تھے۔

(جاری)

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

محدثِ عصر کی رحلت

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

ارشادِ نبویؐ ہے:"ان اللّٰہ لا ینزع العلم بعد أن أعطاھموہ انتزاعاً، ولکن ینتزعہ منھم مع قبض العلماء بعلمھم". [صحیح البخاری:٧٣٠٧]

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ علم کو یوں ہی نہیں اٹھالیں گے، علماء کی وفات سے اس کو اٹھالیا جائے گا)۔

یہ حدیث ہمارے حضرت مولانا یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حادثہ وفات پر پوری طرح صادق آتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ وہ جبل العلم تھے، اس دور پرفتن میں ان کا وجود باعث برکت تھا، علم وروحانیت کا ایسا دوآتشہ ان گنہگار آنکھوں نے کم ہی دیکھا ہے، پورے پچاس سال وہ مظاہر علوم میں بخاری شریف کا درس دیتے رہے، درس دینے والے بہت ہوتے ہیں، لیکن جہاں سے علم کے سوتے پھوٹتے ہوں، روایت و درایت کے اعتبار سے ایسی باریکیاں سامنے آتی ہوں کہ علماء متقدمین کی یاد تازہ ہوجائے، ایسے لوگ خال خال ہی ہوتے ہیں، معلوم ہوتا تھا کہ فتح الباری اور عینی ہی نہیں، متون احادیث کے ذخیرے ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں، استحضار اس غضب کا کہ کہیں بھی کوئی باریک فرق نظر آیا دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کردیا، مسامحات پر ایسی گہری نگاہ نظر میں نہیں آتی، اخیر دور کی بات ہے کہ صحیح بخاری پر تعلیقات کا کام الحمدللہ تکمیل کو پہنچا، اہل علم کے لیے ایک تحفہ ہے، کسی عرب عالم نے دریافت کیا تو فرمایا کہ اصل تو یہی ہے کہ "لا ھجرۃ بعد الفتح ولکن جھاد و نیۃ" فتح الباری کے انتہائی قدردان، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عظمت کے قائل اور اس کے معترف، لیکن مولانا کی ژرف نگاہی کہ انہوں نے ضرورت محسوس کی، یہ تعلیقات کوئی تکرار نہیں، بلکہ ایسے علمی حقائق اس میں ہیں کہ بہت سے اصحاب نظر سے بھی مخفی رہے، مولانا نے وہ کھولے، لیکن حدیث سنا کر بات صاف کردی کہ "جھاد و نیۃ" ایک محنت ہے اور بلند نیت کے ساتھ۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی نگاہ نے ان کو پڑھ لیا تھا، اپنی جگہ بٹھایا، جب کہ ان کی عمر تیس بھی مکمل نہیں ہوئی تھی، اور ایک بند لفافہ بھی حوالہ کیا کہ اس کو چالیس سال کے بعد کھولا جائے، شیخ کی بلند نگاہی اور دور رسی اور مولانا کا صبر وتحمل، وہ پورے چالیس سال کے بعد کھولا گیا تو اس میں یہ جملہ تھا "جب یہ کھولوگے تو مجھ سے آگے ہوگے"، استاد شاگرد کے اشارات وہ جانیں، لیکن یہ بات طے ہے کہ مدت تدریس میں وہ آگے بڑھ گئے، جب شیخ نے بخاری تفویض کی تو کسی صاحب دل نے کہا تھا کہ خود ٤٠ سال پڑھا گئے اور پچاس سال کا انتظام کرگئے، بات "گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود" ثابت ہوئی اور پچاس سال مکمل ہوگئے۔

مولانا کسی بڑے علمی گھرانے کے نہ تھے، وہ جونپور کے ایک چھوٹے گاؤں میں پیدا ہوئے، والد عام کھیتی باڑی کرنے والے انسان تھے مگر دیندار، کچھ ابتدائی تعلیم وہی گاؤں میں ہوئی، اس دوران گاؤں کے دستور کے مطابق کبھی جانور چرانے کے لیے بھی جاتے، مگر مولانا کو اللہ نے دوسرے کام کے لیے منتخب کرلیا تھا، کبھی تنہائی میں بیٹھ کر رو لیتے، کسی طرح حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری کے پاس پہنچ گئے، مولانا نے دیکھ کر بھانپ لیا، والد سے اجازت لے کر تعلیم میں باقاعدہ لگادیا، متوسطات تک تعلیم ہوئی تھی، ان کو لے کر مظاہر علوم میں داخل کرادیا، مولانا بچپن کے کمزور اور بیمار تھے، یہاں آکر اور بیمار پڑ گئے، شیخ نے کہا: جاکر علاج کرالو پھر آنا، حکم کے مطابق گھر چلے آئے، مگر دل نہ لگا، چند روز بعد دوبارہ حاضر ہوگئے، پھر کچھ بیماری ہوئی اور شیخ نے دوبارہ علاج کے لیے گھر جانے کو فرمایا، تو کہنے لگے حضرت یہیں پڑا رہنے دیجیے، مرنا ہے تو یہیں مرجاؤں گا، شیخ نے فرمایا: پڑا رہ، اور اپنے گھر سے کھانے کا انتظام کردیا، جب تک شیخ سہارنپور رہے، مولانا انہیں کے گھر کھانا کھاتے رہے، اور شیخ کی ہجرت کے بعد مولانا طلحہ صاحب نے یہ ذمہ ایسا لیا کہ وفات تک جاری رہا، اور مولانا نے بھی "مرنا ہے تو یہیں مرجاؤں گا" کو پورا کردکھایا۔

حدیث ہی مولانا کا جینا اور مرنا تھا، وہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، پوری زندگی اسی میں کھپادی، نہ شادی کی فرصت ملی، نہ گھر کے مشاغل سد راہ بنے، جوانی میں رات رات بھر دن دن بھر صرف مطالعہ اور علمی اشتغال، نہ کوئی سفر نہ تقریب میں شرکت، نہ کسی سے راہ ورسم، بس دو حضرات ان کے لیے سب کچھ تھے، ایک حضرت شیخ اور دوسرے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب، اور مولانا نے انہیں دونوں سے علم بھی پایا اور روحانیت بھی پائی، بیعت حضرت شیخ سے ہی ہوئے اور ان ہی کی تربیت میں رہے، مگر مولانا اسعد اللہ

صاحب سے بھی وہی تعلق تھا، پہلے اجازت مولانا نے ہی دی، پھر شیخ نے آگے چل کر اس پر مہر تصدیق ایسی ثبت کی کہ اس باب میں بھی وہ مرجع بن گئے، بڑے بڑے علماء نے کسب فیض کیا اور اجازت حاصل کی، رمضان میں مولانا کے مسکن پر بھی سالکین کا ہجوم ہوتا تھا اور سب کا انتظام مولانا کی طرف سے، مولانا کا مزاج روک ٹوک کا تھا، وہ منکر برداشت نہیں کر سکتے تھے، کبھی کبھار لوگوں پر شاق بھی ہوتا تھا، مگر مولانا کے اندر اخلاص تھا، اس لیے عمومی طور پر لوگوں کو اس سے نفع ہوتا تھا اور نہ جانے کتنے لوگوں کی مولانا کے ذریعہ اصلاح ہوئی، مگر اسی کے ساتھ مولانا کی کسر نفسی تھی کہ ابھی ڈانٹا ابھی معافی مانگ رہے ہیں، تعزیت میں حاضری ہوئی تو ایک صاحب نے واقعہ سنایا کہ رمضان سے پہلے آخری جمعہ تھا، میں مولانا کے متصل نماز میں تھا، نماز کے معاً بعد اچانک کہنے لگے مجھے معاف کر دو، میں نے عرض کیا: حضرت! آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو کہنے لگے کہ چالیس سال پہلے میں نے ایک مرتبہ شیخ سے تمہاری شکایت کی تھی، موت قریب ہے، کہیں کل اس کی پکڑ نہ ہو جائے، اس لیے معاف کر دو، وہ صاحب کہنے لگے کہ میں پانی پانی ہو گیا، اسی طرح سنا کہ مولانا طارق جمیل جو مولانا کے چھوٹوں میں تھے، اور مختلف مناسبتوں پر خدمت کے مواقع بھی ان کو حاصل ہوئے، اور وہ بڑے مقرر ہوئے، ایک مرتبہ مولانا نے ایک ملاقات میں ان سے کہہ دیا کہ تم اپنی اصلاح کرو، تمہارے اندر تکبر کی بو آتی ہے، مولانا طارق جمیل کی بھی بڑائی کہ انہوں نے اس کو برا محسوس نہیں کیا، پھر عرصہ کے بعد وہ دوبارہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو مولانا نے ان سے معافی مانگی اور فرمایا کہ تمہارے اندر صلاحیت ہے، تم اس کو تبلیغ دین کے لیے خوب استعمال کرو اور دعائیں دیں۔

ایک واقعہ تو عجیب پیش آیا، ہمارے مربی ومحسن برادر اکبر مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حاضر ہوئے، ان کے ساتھ ایک صاحب تھے، انہوں نے مولانا کے پاس جانے سے انکار کر دیا کہ شیخ بہت ڈانٹتے ہیں، میں نہیں جاؤں گا، بھیا مرحوم کے کہنے سننے سے وہ راضی ہوئے، مولانا بڑے اخلاق سے ملے، اور فرمانے لگے بھائی! اگر کبھی ڈانٹ ڈپٹ ہو گئی ہو تو معاف کرو، وہ صاحب کہنے لگے میں شرم سے گڑ گیا، مولانا کا دل آئینہ کی طرح شفاف تھا، اس پر آنے جانے والوں کا عکس پڑ جاتا تھا، اور مولانا کبھی اصلاح کے لیے صاف کہہ دیتے تھے۔

مولانا گرچہ خالص فن حدیث کے آدمی تھے، اور اسی میں انہوں نے عمر کھپائی تھی، مگر تاریخ وادب اور فکر اسلامی کا بھی انہوں نے مطالعہ کیا تھا، علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی کی تصنیفات کے بڑے قدر داں تھے، ایک مجلس میں کسی نے علامہ شبلی پر طنزیہ کوئی جملہ کہہ دیا تو سخت ناراض ہوئے، اور فرمایا کہ تم ان کے علم کو کیا جانو، اسی طرح ساری مشغولیات کے ساتھ ان کو البعث، الرائد اور تعمیر حیات وغیرہ کے مطالعہ کا بھی موقع مل جاتا تھا اور آنے جانے والوں سے کبھی وہ ان پر تبصرہ فرماتے تھے، اخیر سالوں میں کمزوری وبیماری کی وجہ سے یہ سلسلہ موقوف ہو گیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے مولانا کو بڑی عقیدت ومحبت تھی، حضرت مولانا کی اکثر کتابیں مولانا نے پڑھی تھیں، اور ان کی افادیت کے وہ بڑے قائل تھے، کبھی کبھی درس حدیث میں بھی وہ اس کا تذکرہ فرماتے، یہ آخری درجہ کی بات ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا نے ان کو فون کیا، وہ زمانہ موبائل کا نہیں تھا، فون دفتر میں آیا، مولانا بخاری کا درس دے رہے تھے، کسی نے کان میں جا کر کہا کہ مولانا علی میاں کا فون آیا ہے، اسی وقت کھڑے ہو گئے، بتانے والوں نے بتایا کہ یہ پہلا واقعہ تھا کہ مولانا اس طرح درس چھوڑ کر کھڑے ہو گئے، مولانا کو سادات کا بڑا خیال رہتا تھا، اور حضرت مولانا کو تو وہ اپنے زمانہ کا سید السادات سمجھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ بار بار تکیہ رائے بریلی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے، ایک مرتبہ مولانا کو آگے جانا تھا، رات ہو گئی تھی، حضرت نے فرمایا کہ یہیں ٹھہر جائیے، صبح چلے جائیے گا، فوراً آگے کا ارادہ ملتوی فرما دیا، حضرت مولانا کی بیماری کے زمانہ میں عیادت کے لیے تشریف لائے، اور خود اجازت حدیث کی درخواست کی، حضرت مولانا نے صحیح بخاری منگوا کر حدیث پڑھوائی اور اجازت دی، مولانا کے مزاج میں نزاکت تھی، جسمانی کمزوریوں نے تکلیف اٹھانے کی طاقت اور کم کر دی تھی، مگر ان کو جیسے ہی حضرت مولانا کے حادثۂ وفات کی خبر ملی، اسی وقت سہارنپور سے رائے بریلی کے لیے روانہ ہو گئے، سخت سردی کا زمانہ، سفر کی سہولت بھی پوری طرح حاصل نہ ہو سکی، مگر تاخیر گوارہ نہ فرمائی، رات کو تین بجے تکیہ تشریف لائے، اور بڑے تاثر کا اظہار فرمایا، تکیہ کی مسجد میں حضرت کی وفات کے بعد سب سے پہلے مولانا کی تقریر نے لوگوں کی دل بستگی کا سامان کیا، اور آپ نے اپنی تقریر میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے لیے بڑے بلند کلمات ارشاد فرمائے۔

حضرت قاری صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ان کو بڑی محبت وعقیدت تھی، قاری صاحب کی طرف سے بڑی محبت واحترام کا معاملہ تھا، جب تھوڑا میں دورہ شروع ہوا تو معمول بن

گیا کہ ختم بخاری کے موقع پر حضرت قاری صاحب مولانا ہی کو دعوت دیتے تھے، اور مولانا بھی سعادت سمجھ کر تشریف لاتے، یہ معمول حضرت قاری صاحب کی وفات کے بعد بھی اپنی وفات تک جاری رکھا۔

زہدوتقوی میں بھی وہ اسلاف کے نقش قدم پر تھے، ایک مرتبہ کسی نے پچیس ہزار روپئے دے دیئے، مولانا نے ہدیہ کے سمجھے اور مہمانوں پر صرف کردیئے، چندروز کے بعد انہوں نے تذکرہ کیا کہ حضرت جو رقم میں نے دی تھی وہ زکوۃ کی تھی، مولانا کو یہ بات بہت شاق ہوئی، اس کے بعد مولانا نے اپنے پاس سے رقم نکال کر غرباء میں تقسیم کروائی، وہ صاحب کہتے ہیں کہ اس پر مولانا کو صبر نہ ہوا، اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا، وہ کہتے ہیں کہ اس طرح پانچ مرتبہ تو مجھ سے یہ رقم تقسیم کروائی، اور دوسروں سے پتہ چلا کہ اس نام پر مولانا نے پانچ چھ لاکھ روپئے غرباء میں تقسیم کیے۔

دینار ودرہم سے ان کو سروکار نہ تھا، ہدایا یا تو مہمانوں پر خرچ ہوتے یا کتابوں کی خریداری میں، مولانا اس میں شاہ تھے، حجاز کے سفروں میں مکتبوں میں تشریف لے جاتے، اور کوئی قدیم کتاب چھپ کر آتی تو ضرور خریدتے، مکتبہ والے بھی ان کی اس ادا سے واقف ہوگئے تھے، اور ان کے اس ذوق کا عام چرچا ہوگیا تھا، اس لیے کوئی کتاب مولانا تک پہنچے بغیر نہ رہتی۔

اخیر میں مولانا کے ذوق حدیث کا چرچا عرب وعجم میں تھا، راقم سطور نے خود دیکھا کہ عرب علماء و طلباء کا ان کے پاس ہجوم رہتا، اور بڑے بڑے علماء اجازت حدیث کو اپنے لیے فخر سمجھتے، وہاں کے قیام میں درس حدیث کا سلسلہ بھی جاری رہتا، مولانا کی بیدار مغزی کا حال یہ تھا کہ حفاظ حدیث آکر حدیث کا دور کرتے، مگر کیا مجال ایک لفظ بھی غلط پڑھ جائیں۔ حدیث ہی ان کی روح کی غذا اور درد کا درماں تھا، شدید سے شدید علالت بھی اس راستہ میں رکاوٹ نہ بن سکی، دوسال قبل شدید بیماری کا دورہ پڑا، مولانا حجاز میں تھے، شوال کا مہینہ تھا، طبیعت ذرا بحال ہوئی تو سہارنپور جانے اور سبق شروع کرنے کا تقاضا ہوا، بیماری کی شدت ایسی تھی کہ لوگ مایوس تھے، مگر مولانا کا عزم ویقین اور قوت فیصلہ غالب آیا اور مولانا ہندوستان تشریف لے آئے، اور درس بھی شروع فرمایا، یہ صرف حدیث کا معجزہ اور مولانا کی کرامت تھی، ورنہ مولانا تدریس کے حال میں نہ تھے، بعض اہل تعلق نے بتایا کہ مولانا نے آکر فرمایا کہ میں نے اپنے اللہ سے دو سال مانگے ہیں، اللہ نے ان کی دعا ایسی قبول فرمائی، اسی شرح وبسط کے ساتھ دوسال تدریس میں گذرے اور پچاس سال پورے کرکے اللہ کا بندہ اپنے مالک کے پاس حاضر ہوگیا۔

مولانا نہ مقرر تھے، نہ سوشل کاموں کا ان کے پاس وقت تھا، نہ عوامی آدمی تھے، نہ ان کا کوئی خاندان اور گھر بار تھے، اندازہ نہ تھا کہ ان کے انتقال سے ایسا ماتم بپا ہوگا، مگر "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا" کی تفسیر پھر سامنے آگئی، لگتا تھا صور پھونک دی گئی، کیا خاص کیا عام، سب کا رخ دار جدید کی طرف تھا، کہتے ہیں کہ جنازہ ہوا تو کئی کلومیٹر دور تک لوگوں نے نماز پڑھی، اور اس سچے نائب رسول کو قبرستان شاہ کمال میں مولانا اسعد اللہ صاحب کے پہلو میں سپرد خاک کردیا گیا ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆☆☆

(سات جلدوں پر مشتمل) آسان ہندی زبان میں ترجمہ وتفسیر

تفسیر فاروقی اور ہندی ترجمہ **قرآن مجید کا پیغام**

از - (مولانا) مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

یہ مسلم وغیر مسلم اور نو مسلموں کے لیے آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے جس میں ہر روز کے سبق کے اعتبار سے تقریباً دس دس آیتوں کا ترجمہ پھر ہر آیت کی الگ الگ تفسیر نمبر ڈال کر لکھی گئی ہے، پھر ہر آیت کا پہلے شان نزول، اس سے متعلق احادیث اور مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے عقائد وسوالوں کے جوابات اور سائنسی تحقیق وفضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

ناشر: مکتبہ پیام امن، ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ

موبائل نمبر: 0998449015, 09919042879

File F:\Front.tif not found.

تذکیرودعوت

قوموں کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف

محمد نصر اللہ ندوی

انسانی زندگی میں افکار وخیالات کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اگر انسان کے خیالات بلند اور اسکی پرواز اونچی ہو تو وہ سدا کامیاب اور ہمیشہ خوشحال رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انسان کی زندگی اسکی سوچ کے اردگرد گھومتی ہے، جس طرح پانی کا رنگ برتن کے رنگ کی طرح دکھائی دیتا ہے؛ یعنی اگر ظرف دلکش اور دلآویز ہو تو مظروف بھی جاذب نظر ہوتا ہے، اس کے برعکس ظرف اگر گندہ ہو، تو پانی کتنا ہی صاف اور دلکش ہو، گدلا نظر آتا ہے۔ ایک مفکر کا قول ہے کہ مجھے کسی کے بارے میں صرف یہ معلوم ہوجائے کہ اس کے ذہن میں کیا گھوم رہا ہے، میں بتادوں گا کہ وہ شخص کیسا ہے؛ اس لیے کہ انسان اپنی سوچ سے جدا نہیں ہو سکتا ہے۔ انسان کے اخلاق وکردار، اسکی سوچ کے عکاس اور اسکی فکر کے ترجمان ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اپنی فکر کے دائرہ میں کرتا ہے، اس کا ہر عمل اسکی سوچ کا آئینہ دار اور اسکے احساسات کا غماض ہوتا ہے۔

آج سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے خیالات کا قبلہ درست نہیں ہے۔ اگر یہ مسئلہ حل ہوجائے تو بقیہ سارے مسائل از خود حل ہوجائیں گے۔ رومن شہنشاہ ''مارکیوس'' کا مقولہ ہے: ہماری زندگی ہمارے خیالات کی پیداوار ہے؛ اگر ہمارے خیالات صالح اور پاکیزہ ہوں تو ہماری زندگی خوشحال ہوگی، اور اگر ہمارے خیالات اس کے برعکس ہوں تو ہم مصائب ومشکلات میں گھرے رہیں گے۔ ہمہ وقت پریشان کن خیالات کا ہجوم انسان کو بزدل اور سراسیمہ بنا دیتا ہے۔ اگر کسی کو ہر وقت مرض کا اندیشہ ہو تو یقیناً وہ بیماری کے آغوش میں چلا جاتا ہے۔

جب گھمسان کا رن ہو اور میدان کارزار گرم ہو؛ تو اچھے اچھوں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں؛ تاہم ایسے نازک موقع پر وہی فوج شجاعت کے جوہر دکھاتی ہے جس کا ایمان غیر متزلزل اور جس کا عقیدہ راسخ ہو، خواہ اس کے پاس مادی مسائل کی قلت اور آلات ضرب وحرب کی کمی ہو۔

وہ دنیاوی ساز وسامان سے محروم ہونے کے باوجود بھی حیرت انگیز کارنامے انجام دیتی ہے۔ بدر وحنین کے واقعات اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

انبیاء کرام کے پیغام کو دوام اس لیے حاصل ہوا کہ انہوں نے انسانوں کے ذہن ودماغ کو اپنی کوششوں کا محور اور اپنی سرگرمیوں کا موضوع بنایا۔ ان کی تعلیمات صرف نظریاتی اور تصوراتی نہیں تھیں؛ بلکہ زندگی کے گہرے مشاہدات اور حقیقی تجربات پر مبنی تھیں۔ ان کے اصول نہایت پختہ اور ان کے خیالات بہت پاکیزہ تھے، جن سے دلوں میں پاکیزگی اور تصورات میں گہرائی پیدا ہوتی تھی، یہ خیالات انسانوں کو خود اعتمادی سے لبریز کرنے والے تھے۔ ان کی ہدایات اتنی روشن اور بصیرت افروز ہوتی تھیں کہ انسانوں کے دل ودماغ کی بند کھڑکیاں ایک ہی جنبش میں کھل جاتی تھیں۔

اسلام میں دل ودماغ کی اصلاح پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے؛ کیوں کہ اس کے بغیر زندگی میں کامیابی کے امکانات معدوم ہیں۔ اگر نفس کی اصلاح نہیں کی گئی تو انسان کائنات کی وسعتوں میں گم ہوجاتا ہے، اور اس کا حال ومستقبل فتنوں سے گھر جاتا ہے۔ زندگی کی نعمتوں کا لطف اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان کا باطن پاک وصاف ہو۔ زندگی کا حسن، اخلاق وکردار کے حسن پر موقوف ہے۔ اگر زندگی معصیت کے دلدل میں پھنسی ہو تو آسمانی برکتوں کا نزول اس پر نہیں ہوتا۔ اللہ کی نوازشیں اور اس کی کرم فرمائیاں انہیں لوگوں پر ہوتی ہیں جو تقوی کی دولت سے مالا مال ہیں: "وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ". [الأعراف:۹۶] (اگر بستی والے ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتیں کھول دیتے)۔

الغرض انسان کی خوشحالی اور پریشانی کا دارو مدار اسکی سوچ پر ہے؛ یہ اصول جتنا ایک فرد پر صادق آتا ہے، اتنا ہی جماعت اور افراد پر بھی آتا ہے۔ کسی قوم کے حالات اس وقت تک نہیں بدل سکتے جب تک اس کے دل ودماغ میں تبدیلی نہ ہو۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: " إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ. " (الرعد:۱۱) کسی شاعر نے کہا ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

☆☆☆☆☆

رسیدکتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن ندوی

☆جمع و تدوینِ قرآن کریم- ایک مطالعہ

ڈاکٹرسید کمال اللہ بختیاری ندوی کا یہ مختصر رسالہ عہدِ رسالت سے لے کر عہد عثمانی تک قرآن کے تدوینی مراحل کا تذکرہ ہے، جس سے اس سلسلہ میں اٹھائے جانے والے شکوک وشبہات کا تشفی بخش جواب مل جاتا ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے یہ رسالہ نہایت عام فہم ہے اورعوام الناس بھی اس سے پورا فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ رسالہ کی تالیف میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، جسٹس مولانا مفتی تقی عثمانی، راغب الطباخ اور ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) کی تحقیقات و تصنیفات سے فائدہ اٹھایا گیا ہے جس سے اس رسالہ کو یک گونہ استناد حاصل ہوتا ہے۔

درمیانی سائز کے ۴۸؍صفحات پر مشتمل اس رسالہ کی طباعت ’آزاد ایجوکیشنل ٹرسٹ، چینائی‘ کے زیرِ اہتمام ہوئی ہے، کمپوزنگ اور طباعت غنیمت ہے اور قیمت ۵۰؍روپیہ درج ہے۔ حاصل کرنے کے لیے ندوی بک ڈپو، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ اور ’دی آئیڈیل پبلک اسکول، ریڈ ہلز، حیدرآباد سے رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ مصنف سے رابطہ کے لئے مندرجۂ ذیل موبائل نمبر اور ایمیل درج ہے:

۰۰۹۱-۸۹۳۹۳۰۱۷۵۲،

bak.nadwi@yahoo.com

☆قرآن فہمی کے رہنما اصول

سید کمال اللہ بختیاری ندوی کی ایک اور کتاب ’’قرآن فہمی کے رہنما اصول‘‘ ’آزاد ایجوکیشنل ٹرسٹ، چینائی‘ سے شائع ہوکر منظرِ عام پر آئی ہے، جس کا مقدمہ مولانا ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی صاحب، پیش لفظ مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ اور تاثرات ڈاکٹر پی نثار احمد صاحب (پروفیسر وصدر شعبۂ عربی اردو فارسی، مدراس یونیورسٹی) کے قلم سے تحریر کیا گیا ہے۔

۱۴۴؍صفحات کی اس کتاب کی فہرست عناوین پر نظر ڈالیں تو بعض اہم عناوین اس طرح ہیں: قرآن فہمی میں صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام کا نمونہ، قرآن فہمی کے لئے ابن کثیر کا اصول، اعجازِ قرآن کریم کی بدولت مشرف باسلام ہونے والے دانشور حضرات کے تاثرات، اعجاز قرآن کریم غیر مسلم دانشور حضرات کی نظر میں، قرآن کریم اور دیگر مذہبی کتب تاریخ کی روشنی میں، تلاوت وتدبرِ قرآن کے چند واقعات اور نمونے۔

کتاب کے حوالہ سے مقدمہ نگار لکھتے ہیں: ’’اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف نے قرآنیات پر مستند علمائے کرام کے افکار ونظریات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک اچھی کتاب مرتب کردی ہے۔ مؤلفِ کتاب نے عظمتِ قرآن پر بھی روشنی ڈالی ہے، مکی اور مدنی سورتوں کی خصوصیات کو بیان کیا ہے، قرآنِ کریم کی فصاحت و بلاغت کی بھی جھلکیاں دکھلائی ہیں، مطالعۂ قرآن کا طریقہ اور اس کے اصول وضوابط بیان کیے ہیں ------ ان تمام امور میں مؤلف نے قرآنیات کے عربی اور اردو کے مستند علمائے کرام کی تالیفات کو سامنے رکھا ہے‘‘۔

قیمت: ۱۰۰؍روپیہ، ایمیل ورابطہ نمبر حسبِ بالا

☆طلاق کیوں اور کیسے؟

زیرِ نظر عمدہ کاغذ پر شستہ کمپوزنگ کے ساتھ طبع شدہ یہ رسالہ محمد شعیب ندوی صاحب (مہتمم مدرسہ ابوالحسن علی ندوی، بحرپور) کی تالیف ہے۔ ۸۸؍صفحات پر مشتمل اس رسالہ میں انھوں نے مختلف اقوام وملل اور ادیان و مذاہب کے عائلی نظام کا جائزہ لیا ہے اور ان کی افادیت اور نقائص وعیوب کو واضح کیا ہے۔ اسی طرح اسلامی عائلی نظام کی برتری اور زوجین کے لیے اس کے بہرحال مفید اور مناسب ہونے کا مدلل تذکرہ کرتے ہوئے اسلام میں طلاق اور اس کی مختلف شکلوں کا جائزہ لیا ہے۔ رسالہ بہت عام فہم اور سلیس زبان میں ہے، ہر خاص و عام کے لیے موجودہ حالات میں زیادہ مفید ہے۔

قیمت: ۶۰؍روپیہ، رابطہ نمبر: ۹۷۹۳۷۶۶۶۵۲

☆تذکرہ مولانا زبیر الحسن کاندھلویؒ

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی صاحب کی کتاب ’’تذکرہ حضرت مولانا محمد زبیرالحسن کاندھلویؒ‘‘ کا پہلا ایڈیشن کافی مقبول ہوا، جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا زبیر صاحبؒ کی شخصیت پر آنے والی بعد کی تحریروں نے اس سے بھرپور استفادہ کیا۔

اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوکر نگاہوں کے سامنے ہے، پہلے ایڈیشن کے مقابلہ میں صفحات بڑھ کر تقریباً تین سو ہوگئے ہیں، اور ابواب کی تعداد بھی بڑھ کر سات ہوگئی ہے۔ اس ایڈیشن میں کئی مقامات پر حسب تحقیق وضرورت ترمیم بھی کی گئی ہے۔ امید ہے یہ ایڈیشن پچھلے ایڈیشن کے مقابلہ میں زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہوگا۔

طباعت، کاغذ اور ٹائٹل حسب سابق عمدہ اور مناسب ہے، قیمت دوسو روپیہ تجویز کی گئی ہے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

وفیات

مسجل دارالعلوم محمد اقبال صدیقی جوارِ رحمت میں

جاوید اختر ندوی

تقریباً چالیس برسوں تک یکسوئی، فرض شناسی اور مستعدی کے ساتھ تدریسی ودفتری خدمات انجام دینے کے بعد جناب حاجی محمد اقبال صدیقی اچانک ۱۱/ذیقعدہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۴/اگست ۲۰۱۷ء کو اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم وفات سے قبل جمعرات تک دارالعلوم حاضر ہوتے رہے، معمولی بخار کی شکایت تھی، جمعہ کے روز نماز اور کھانا ودیگر معمولات حسب عادت انجام پائے، عصر کے بعد سینہ میں تکلیف ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سب کو سوگوار چھوڑ کر دارِ باقی کی طرف خاموشی کے ساتھ چل بسے، مغرب بعد یہ خبر ندوہ اور متعلقین تک پہونچی، جس نے سنا پہلی بار یقین نہیں ہوا، نہ کوئی بیماری، نہ کوئی سبب، اس طرح اچانک ہم سب سے رخصت ہوگئے، ویسے بھی ایسے شریف النفس مخلص ووفادار فرد کے جانے کا جلد یقین کہاں ہوتا ہے، خبر ملتے ہی ناظر عام ندوۃ العلماء جناب مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی پانی گاؤں، سیکٹر ۹، اندرانگر لکھنؤ ان کے گھر تعزیت کے لیے تشریف لے گئے، اور ہفتہ کی صبح مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے بھی ان کے گھر جا کر تعزیت کی، مسجل دارالعلوم ہونے کی وجہ سے ان دونوں بزرگوں سے ان کا خاص ربط وتعلق تھا، اور برابر ملاقاتیں رہتی تھیں۔

مرحوم کی تاریخ پیدائش ۲۶/جون ۱۹۵۱ء ہے، والد مرحوم محمد اسماعیل زمیندار خاندان کے تھے، بارہ بنکی کے ایک گنا فیکٹری میں سپروائزر تھے، جناب محمد اقبال مرحوم نے ہائی اسکول انٹر کی تعلیم کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے اردو زبان وادب میں بی اے، اور ایم اے کیا، پھر معلم اردو علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے پاس کیا، ۲۰/جولائی ۱۹۷۸ء مطابق ۱۳/شعبان ۱۳۹۸ھ کو ان کی بحالی بہ مشاہرہ ۱۵۰/ روپے ہوئی، کئی برس دفتر اہتمام ہی میں مختلف خدمات انجام دیتے رہے، پھر ۴/ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ کو معہد دارالعلوم میں اردو زبان کی تدریس کے لیے منتقل کیے گئے، دو سال تک تدریسی خدمت انجام دی، مگر پھر دفتری امور میں ان کی ضرورت کی وجہ سے ۲۶/شوال ۱۴۰۵ھ کو سابق جگہ پر بلا لیے گئے، ۷/محرم الحرام ۱۴۱۳ھ کو دفتر اہتمام اور شعبۂ امتحان سے متعلق بعض اہم خدمات ان کے سپرد کی گئیں، جس کی تحریر اس وقت دارالعلوم کے مشرف اداری مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کے قلم سے ہے، ۱۹/محرم الحرام ۱۴۲۱ھ کو مسجل دارالعلوم جناب افتخار حسین قدوائی کی درازیٔ عمر اور ضعف ونقاہت کی وجہ سے قائم مقام مسجل دارالعلوم بنائے گئے، اور پھر یکم محرم الحرام ۱۴۲۳ھ کو قائم مقام مسجل سے، مستقل مسجل دارالعلوم کے عہدہ پر فائز کیے گئے، اس طرح شعبان ۱۳۹۸ھ سے ذیقعدہ ۱۴۳۸ھ عمر عزیز کے چالیس برس تک دارالعلوم ندوۃ العلماء سے منسلک رہے۔

ابھی تو سال گزشتہ مارچ میں وہ ریٹائرڈ ہوئے تھے، ۲۸/شوال کو انہوں نے اپنا حساب مکمل کرنے کی درخواست دی تھی، جمعرات کو کہا کہ اب ہفتہ کو رقم لیں گے، مگر کیا پتہ تھا کہ اس سے قبل وہ زندگی بھر کی خدمات کا صلہ لینے اپنے آقا ومولا کے حضور حاضر ہوجائیں گے۔

نماز جنازہ میں ندوہ، اہل تعلق اور شہر کے لوگوں کی بڑی تعداد تھی، احاطۂ دارالعلوم میں ہی نماز مہتمم دارالعلوم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے پڑھائی اور امر پالی قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے، مخدوم گرامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رائے بریلی میں تھے لکھنؤ میں اہل خانہ سے تعزیت کی۔

وہ پچھلے بیس برسوں سے دارالعلوم کے شعبۂ مالیات کے ذمہ دار تھے اساتذہ، عملہ، ملازمین کی تنخواہیں، طلبہ کے وظائف اور دیگر مالی امور ان ہی سے متعلق تھے، مگر شاید ہی کسی ایک فرد کو بھی ان سے شکایت رہی ہو، ہر ایک سے اخلاق ومحبت سے ملنا اور شیریں کلامی سے نوازنا ان ہی کا حصہ تھا، دارالعلوم کے بزرگ وموقر اساتذہ محض ان کے اخلاق کریمانہ کی کشش کی وجہ سے خالی گھنٹوں میں ان کے پاس بیٹھنا پسند کرتے، اور کبھی خالی وقت ان ہی کے پاس گزارتے، اللہ تعالیٰ نے امانت داری، وقت کی پابندی، خورد نوازی اور شرافت طبعی جیسی صفات سے نوازا تھا، یہ محض الفاظ نہیں ہیں، جن کا بھی ان سے واسطہ پڑا ہو، وہ ان اوصاف کی ضرور گواہی دے گا، انٹر کے بعد انہوں نے اردو زبان وادب ہی کو منتخب کیا تھا، اور پھر خالص لکھنوی تہذیب وثقافت میں پروان چڑھے اس لیے ان کی زبان بہت شیریں اور شگفتہ تھی، "تعمیر حیات" کا انتظار کرتے، کئی خریداروں کے شمارے وہ خود دستی لے جاتے، اور ان تک پہونچاتے، ایک شمارہ اپنے پاس دفتر ہی میں رکھتے، اور گاہے گاہے لطف لے کر پڑھتے، ان کو سرورق کی عبارت اور شعر وادب کا کالم بہت پسند تھا، کھولتے ہی کہتے، دیکھیں کون سے اشعار ہیں اور کن کو منتخب کیا ہے۔

والد مرحوم کا انتقال تو چند برس قبل ہو گیا تھا، پانچ بھائی اور دو بہنوں میں بڑے بھائی کا بھی انتقال ہو گیا، ایک بہن کا چند ماہ قبل انتقال ہوا تھا، اس کا ان کے اوپر بڑا اثر تھا کہ وہ غیر شادی شدہ تھیں اور یہ خود ہی ان کی کفالت کرتے تھے، اکتوبر ۱۹۷۹ء میں ان کا نکاح ہوا تھا، اہلیہ حیات ہیں، کوئی اولاد نہیں، انہوں نے دو حج اور ایک عمرہ بھی کیا تھا، ایک حج بدل والد محترم کے لیے تھا۔

اللہ رب العزت مرحوم کی لغزشوں کو درگزر فرمائے، ان کے حسنات وخدمات کو ذخیرۂ آخرت بنائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔

☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

کاروان علم ودعوت

مسجد کو آباد کرنا ایمان کی علامت ہے!

سہارنپور، دیوبند، کاندھلہ کے اسفار اور حضرت ناظم ندوۃ العلماء کی دیگر مصروفیات

● ....محمود حسن حسنی ندوی

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں

اتوار ۱۴؍مئی ۲۰۱۷ء کو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا جلسہ طے تھا، اور ایک دن پہلے مجلس شوریٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا جلسہ رکھ لیا گیا تھا، دیوبند کے پروگرام کے لیے سہارنپور کا راستہ اس لیے اختیار کیا گیا کہ حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی کی عیادت کرتے ہوئے دیوبند جایا جائے، اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے مولانا معاذ احمد کاندھلوی نے اپنے فرزند عبداللہ معاذ سلمہ کی تکمیل حفظ قرآن مجید کی تقریب مولانا سید سلمان مظاہری ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے مشورہ سے طے کرلی، چنانچہ سہارنپور کے مدرسہ دارِ جدید کی مسجد میں جہاں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی اپنے خلفاء اور تلامذہ ومریدین کے ساتھ اعتکاف فرمایا کرتے تھے، ۱۱؍بجے دن کو یہ بابرکت اور پرنور تقریب منعقد ہوئی، اور عبداللہ معاذ کے استاد قاری عمار ہاشمی ساتھ تھے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے سامنے قرأت کی گئی، حضرت حکیم کلیم اللہ علی گڑھی بھی ساتھ تھے، انہوں نے سورۂ مرسلات کے آخری رکوع کو بھی پڑھنے کو کہا کہ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق نور اللہ مرقدہ ایسا فرماتے تھے، اور حضرت مولانا مدظلہ نے خطاب فرمایا جس میں حفظ قرآن مجید کی اہمیت اور قرآن مجید کی عظمت اور تلاوت قرآن پاک کے اثرات کھول کر بیان کیے، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کتنا آسان کر کے ہمیں دیدیا، اور اپنے کلام کو انسانی الفاظ کا غلاف چڑھا دیا، ورنہ انسان کا دل بھی اس کو برداشت نہیں کرسکتا تھا، اور مزید یہ انعام فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر پہلے اتارا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے اس کو جاری فرمایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخذ کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ جیسی مقدس جماعت کو تیار کیا، اور پھر ان کے ذریعہ دوسرے اہل ایمان میں اسے قبول کرنے کی صلاحیت فرمائی، اور اس کو پھر سب انسانوں کے لیے عام کردیا، مگر صحیح طور پر اسے وہی قبول کرسکتے ہیں جو طہارت ظاہری کے ساتھ طہارت باطنی بھی رکھتے ہوں، اور طہارت باطنی کے ساتھ طہارت ظاہری کو بھی اختیار کریں۔

حفظ قرآن کریم بہت بڑی سعادت اور شرف کی بات ہے، اور حافظ قرآن کے والدین کے لیے مزید شرف وعزت کی بات ہے کہ اصلاً ان کی ہمت، جذبہ اور فیصلہ نے اس کے فرزند کو یہ شرف عطا کیا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عطا ہوتا ہے، اور پہلے یہ توفیق بچہ کے والدین کو ملی، جنہوں نے اس کی فکر کی، اور اچھے استاد کا انتظام کیا، اور پھر یہ احسان استاد کا ہوتا ہے کہ استاد کی کوتاہی اور غفلت سے طالب علم کو نقصان پہونچتا ہے، استاد کی توجہ وفکر مندی سے طالب علم کمال کو پہونچتا ہے، حفظ کے بعد اس کو باقی رکھنے کی فکر اور تلاوت کا اہتمام اور پھر اس کے معانی کو سمجھنے کی فکر اور اس کے لیے مزید تعلیم حاصل کرنا، یہ سب مراحل ابھی باقی ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، مبارک کرے اور اس کو باقی رکھے۔

اخیر میں حضرت حکیم کلیم اللہ نے دعا فرمائی، اس موقع پر مظاہر علوم کے شوریٰ کے اراکین، اساتذہ، ذمہ داران اور طلبہ سبھی حضرات موجود تھے۔

اگر چہ حضرت مولانا مدظلہ کا قیام چند گھنٹوں کا ہی تھا، لیکن مجلس شوریٰ کی وجہ سے دارِ جدید کے مہمان خان کے بجائے زکریا منزل کے مہمان خانہ میں تھا، جہاں ملنے آنے والوں کی برابر آمد ورفت رہی، مولانا سید محمد عاقل مظاہری صدر المدرسین، مولانا سید سلمان مظاہری ناظم جامعہ، مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری سکریٹری جامعہ، جناب جمال شیروانی رکن شوریٰ، محترم حکیم کلیم اللہ رکن شوریٰ، اور بعض سیاسی اور سماجی حضرات بھی ملنے آئے، اور دبنی والا کے مدرسہ احیاء العلوم میں اس کے ناظم حافظ عبدالوہاب بوڑیوی برادر اکبر پیرجی حافظ حسین احمد قادری سے تعزیت کرتے ہوئے خاں جہاں پور مظفر نگر کے لیے روانہ ہوئے، سہارنپور میں، دہرہ دون کے انجینئر محمد شمیم صاحب ساتھ رہے۔

خاں جہاں پور میں

خاں جہاں پور، منصور پور، حسین آباد، یہ وہ موضعات ہیں جہاں سادات آباد ہیں، اور مظفر نگر شہر کی نسبت بھی انہی کے مورث اعلیٰ سید ابو مظفر کی طرف ہے، مولانا سید سلمان حسینی ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء نے حضرت مولانا مدظلہ کو یہاں بھی تشریف لانے کی دعوت دی، پروگرام ایسا ہوا کہ صرف خاں جہاں پور جاسکے، اور وہاں

File F:\Front.tif not found.

کے دن کے پروگرام میں جو بنات کے مدرسہ میں تھا، شرکت نہ کی جاسکی، البتہ بعد مغرب کے پروگرام میں جو سید محمد نعمان حسینی نے اپنے مدرسہ جو جمعیت شباب اسلام لکھنؤ کے تحت چلتا ہے، رکھا تھا، اس میں شرکت فرمائی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ میں شرکت کے لیے روانہ ہوگئے، خاں جہاں پور میں جناب سید کلیم احمد مرحوم اور بھائی فیصل (داماد مولانا سید سلمان حسینی ندوی) کے یہاں جانا ہوا۔

دارالعلوم دیوبند میں

حضرت مولانا مدظلہ کا دارالعلوم دیوبند میں قیام اپنے عزیز مولانا سید عبید اللہ حسینی ہنسوی کے مکان پر ہوا، اس کی دعوت حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی نے اپنی صاحبزادی کی طرف سے دی تھی جو مولانا عبید اللہ حسینی ندوی کو منسوب ہیں، حضرت مولانا مدظلہ نے کئی رفقاء کی وجہ سے اس کو ترجیح دی، اور مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی کو اس کی اطلاع کردی گئی تھی، اس کے باوجود دارالعلوم کے مہمان خانہ میں جگہ باقی رکھی گئی تھی، جب صبح حضرت مولانا مجلس شوریٰ میں شرکت کے لیے مہمان خانہ تشریف لائے تو وہیں کھانا تناول فرمایا اور آرام کیا، پھر عصر کو کاندھلہ کے لیے روانہ ہوئے، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اور راقم نے دن کا حصہ مسجد رشید سے متصل اسی مکان پر گزارا جہاں قیام اختیار کیا گیا تھا، مجلس شوریٰ کی صدارت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے فرمائی، دو دن چلنے والی مجلس شوریٰ کو ایک ہی نشست میں اس لیے مکمل کردیا گیا کہ صدر جلسہ حضرت مولانا مدظلہ کو ایک دوسرے پروگرام میں جو شام کو تھا، کاندھلہ میں شرکت فرمانی تھی، اور حضرت حکیم کلیم اللہ کی دعا پر جلسہ اختتام کو پہونچا۔

دارالعلوم دیوبند کی ترقی کو دیکھ کر خوشی ہوئی، نئی تعمیرات بہتر نظام نظافت اور دوسرے محاسن لائق تعریف وتحسین ہیں، معلوم ہوا اس سال دورۂ حدیث میں سترہ سو طلبہ ہیں، اس لیے نئی عمارت ان کے لیے بن گئی ہے۔

کاندھلہ میں تقریب نکاح

دیوبند سے کاندھلہ عصر کو روانہ ہوئے، اور مغرب سے کچھ پہلے پہونچ گئے، مفتی ارتقاء الحسن رتی مفتی پنجاب اپنے وطن کاندھلہ کے راستہ سے اچھے واقف تھے، خود ڈرائیو کرکے حضرت مولانا مدظلہ کو لے گئے، ہم لوگ دوسری گاڑی پر تھے، حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی جو خاندان کاندھلہ کے اور سلسلۂ رائے پوری کے سب سے بزرگ فرد ہیں، حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی، مولانا محمد سعد کاندھلوی اور مولانا محمد حشیم عثمانی مکی، مولانا سید سلمان سہارنپوری، مولانا محمد نور الحسن راشد کاندھلوی، سبھی حضرات حضرت مولانا مدظلہ کے پاس آئے، اور پھر مغرب مسجد عیدگاہ سلیمانیہ میں تقریب نکاح ہوئی، اور اس کے قبل مولانا محمد سعد کاندھلوی موجود مجمع کے سامنے کچھ دینی باتیں رکھیں، مجلس نکاح کا آغاز حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے خطاب سے ہوا، نکاح مولانا محمد حشیم عثمانی نے پڑھایا، اور دعا مولانا محمد سعد کاندھلوی نے کرائی، باقی بزرگ اور مولانا قاری رضوان نسیم وغیرہ بھی موجود تھے، قاری رضوان نسیم نائب ناظم مظاہر علوم کے نواسہ مولوی طلحہ مقیم دیوبند سے مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کی صاحبزادی کا نکاح تھا۔

حضرت مولانا مدظلہ نے اپنے خطاب میں نکاح کی اہمیت، اور سماج پر اس کے اثرات اور نیک عورت کے انتخاب کے اولاد کی شخصیت کی تشکیل میں کردار پر بڑے بلیغ انداز میں روشنی ڈالی، اور اس مناسبت سے مشہور مصری مصنف اور مجاہد، داعی سید قطب شہید کا تذکرہ کیا کہ قرآن مجید پر مختلف حیثیت سے ان کی "تفسیر فی ظلال القرآن" اور اہم کتابیں ہیں، ان سے قرآن مجید سے گہرے لگاؤ اور قرآن مجید کی خدمت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس کا بڑا اہم سبب والدہ کے قرآن مجید سے لگاؤ اور تلاوت کا ذکر کیا، جو ان کے کان میں ماں کی گود میں پڑی تھی۔

یہ ایک نورانی محفل تھی، معتمد تعلیم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا سید سلمان حسینی ندوی، جناب شاہد حسین، جناب اسماعیل بھولا ندوی، مولوی سحبان ثاقب ندوی اور خاندان کے افراد بھی موجود تھے، مولانا محمد سعد کاندھلوی امیر جماعت تبلیغ مرکز نظام الدین اپنے صاحبزادگان کے ساتھ مدرسہ سلیمانیہ میں دیر تک حضرت مولانا مدظلہ کے پاس بیٹھے، اور مستفید ہوتے رہے، بعد میں دوسرے روز مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کے دارالکتب مفتی الٰہی بخش اکیڈمی میں بھی آئے، اور دو تین گھنٹے سے زائد ٹھہرے، دونوں خاندانوں کے افراد بھی تھے، مولانا نے بتایا کہ الحمد للہ دعوت وتبلیغ کے کام کی طرف عربوں کا خوب رجوع ہے، اور نظام الدین کی سب منزلیں بھری رہتی ہیں، یورپ، افریقہ اور دوسرے ممالک سے بھی مسلسل جماعتیں آرہی ہیں، اور نظام الدین مرکز سے اپنا تعلق رکھتی ہیں، میڈیا کے مختلف ذرائع سامنے آچکے ہیں، لیکن اس سے ہم لوگ گریز کرتے ہیں، حضرت مولانا مدظلہ نے اس فکر وطرزِ عمل کی تائید وتحسین فرمائی، علی الصبح سہارنپور سے ٹرین پکڑنی تھی، قیام مولانا معاذ احمد کاندھلوی نے

File F:\Front.tif not found.

مظاہر علوم دارِجدید کے مہمان خانہ میں کرادیا تھا،اور مولانا سید سلمان مظاہری (داماد حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ) کے ہاں سے کھانا بھی ان کے صاحبزادہ مولانا سید عثمان لے آئے تھے،اور یہیں سے لکھنؤ واپسی ہوئی،مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی پیام انسانیت کے ایک پروگرام میں پہونچے تھے،ملنے بھی آئے اور دیررات کو دوسری ٹرین سے لکھنؤ پہونچے۔

رائے بریلی کا قیام

دارالعلوم میں چھٹی قریب تھی،اس کے بعد رمضان شریف کی آمد بھی،دودن قبل رائے بریلی حضرت مولانا تشریف لے گئے،اور رمضان شریف کے ایک ہفتہ بعد لکھنؤ واپس آئے،اس طرح چالیس دن رائے بریلی قیام رہا،جہاں مسجد شاہ علم اللہ میں آخری عشرہ کا دوڈھائی سولوگوں کے ساتھ اعتکاف بھی کیا،مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اور حضرت مولانا مدظلہ کا ایک ہی معتکف تھا، خوب قرآن کریم پڑھا گیا،سنایا گیا،انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر نوافل میں بھی اور کتابوں کے ذریعہ بھی ارشادورہنمائی کا کام ہوا،فضائل رمضان، طہارت قلب،سیرت رسول اکرمؐ، رمضان المبارک اوراس کے تقاضے،یہ وہ کتابیں ہیں جو الگ الگ لوگوں نے پڑھیں،درس قرآن مجید کا سلسلہ بھی رہا،حضرت مولانا مدظلہ روز درس دیتے تھے،سورۂ قصص مکمل ہوئی،اور سورۂ انبیاء پر مشتمل درس کی کتاب ''احتساب زندگی'' کے نام سے طبع ہوکر سامنے آئی،حدیث شریف کا درس مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی نے دیا،جوان کے برادر اکبر مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ دیا کرتے تھے،عصر بعد کا ذکرو دعا کا معمول بھی پورے ماہ جاری رہا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نئے سال کا آغاز

عید کے بعد بھی مہمانوں کی آمدورفت رہی، اور پھر دارالعلوم میں داخلوں کا سلسلہ شروع ہوا،اور حضرت مولانا مدظلہ ندوہ میں مقیم رہے،۱۶/جولائی ۲۰۱۷ء کا دہرہ دون اور بوڑیہ(ہریانہ) کا پروگرام تھا،اور سہارنپور حضرت مولانا محمد یونس جونپوری اور مولانا حکیم محمد الیاس مرحوم کی تعزیت کے لیے جانے کا ٹکٹ کنفرم تھا،طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے یہ سفر نہ کرسکے،اور بعد میں مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی اور راقم الحروف نے اوراس سے قبل ندوہ کے بعض اساتذہ نے سفر کیا تھا،البتہ ایک مقامی سفر تھلوارہ ضلع بارہ بنکی کا ایک جامع مسجد کے توسیعی سنگ بنیاد کا تھا،وہ کیا گیا۔

دینی مدارس امت کی بقاء کا ذریعہ ہیں

اگرچہ حیدرگڑھ سفر کی منزل نہ تھا،مگر راستہ میں تھا،اوراس کے مہتمم مولانا محمد عتیق ندوی کی دعوت تھی جسے حضرت مولانا مدظلہ نے قبول فرمائی اور تھلوارہ سے واپسی پر وہاں تشریف لے گئے،مسجد مدرسہ فیض القرآن حیدرگڑھ (قائم شدہ ۱۹۶۴ء) میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے فرمایا کہ:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت دی ہے کہ اپنے ارادے سے وہ چاہے تو اچھا کام کرے یا برا کام کرے،اور مخلوقات مجبور ہیں،وہ خود سے نہیں کرسکتے ہیں،مگر انسان کو اختیار ہے،لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً،حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت میں رکھا گیا،مگر کہدیا گیا تھا کہ فلاں درخت کے پاس نہ جانا،وہ پھل نہ کھانا،مگر اشیطان نے انسان کو گمراہ کرنے کی اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگ لی ہے،اس نے پوری کوشش اس بات کی کی کہ وہ اس درخت کے پاس جائیں اور وہ اس میں کامیاب ہوگیا،اور آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلنا پڑا،اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا میں تو بھیجا مگر ان کی نسل میں انبیاء ورسول اور کیسے کیسے برگزیدہ لوگ پیدا کیے،آدم علیہ السلام کو بتادیا گیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے،یہی بات ساری اولادِ آدم کے لیے بھی ہے کہ ان کو اس حقیقت کو سمجھنا چاہیے اور انبیاء ورسولوں کے راستے اور اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت کا سامان فراہم کیا ہے،اس سے فائدہ ٹھاکر اچھا انسان اور صالح انسان بننے کی کوشش کرنی چاہیے،یہی باتیں قرآن وحدیث اور اسلامی فقہ سے معلوم ہوتی ہیں، اور مدرسہ کے ماحول اور نصاب ونظام تعلیم سے حاصل ہوتا ہے،اور انسان کی اس کی اصلی شخصیت کی تشکیل بھی مدرسے کرتے ہیں،جو فکروتوجہ سے اس ماحول میں ایک مدت تک رہتے ہیں اور محنت کرتے ہیں،وہ اس قابل ہوجاتے ہیں کہ دوسروں کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں حصہ لیں،اس نعمت کی ہمیں قدر کرنی چاہیے،اور صرف مزا نہیں دیکھنا چاہیے،مزا آتا ہے اور چلا جاتا ہے،اللہ کی مرضی اور پسند اختیار کرنی چاہیے۔

مسجد کی برکات

تھلوارہ ضلع بارہ بنکی،جو حضرت صوفی افضل علی تھلواروی خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ وشاگرد رشید مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء کا وطن ہے،جامع مسجد کے سنگ بنیاد کے لیے تشریف لائے جہاں مولانا محمد احمد ندوی اوران کے صاحبزادگان مولوی محمد طیب ندوی،مولوی محمد انس ندوی وحافظ معاذ وغیرہ انتظام کرتے ہیں،اور جناب شارق علوی ایڈیٹر ''دی فریگرینس آف دی

ایسٹ“ ندوۃ العلماء سرپرستی فرماتے ہیں، جامع مسجد احاطہ چودھری اعظم علی، تھلواڑہ ضلع بارہ بنکی کی تعمیر نو کی خشت اول رکھنے کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے بروز اتوار ۲۸/شوال المکرم ۱۴۳۸ھ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرات! مسجد کی تعمیر و توسیع اتنا مبارک عمل ہے کہ آخرت میں جب اس کا جرو ثواب سامنے آئے گا تو پتہ چلے گا کہ کیسی نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی، مسجد سے اللہ تعالیٰ کو خاص تعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاص تذکرہ فرمایا، اور بیت اللہ کی نسبت سے فرمایا، یہ پہلے سے قائم تھا مگر نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا، وہ پہلی مسجد دنیا میں ہے، اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نکالا، اور جو بنیادیں چھپی تھیں، ان ہی پر مسجد تعمیر کی، اور اس میں اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو شریک کیا اور دعا کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا قبول کیا کہ وہاں نماز پڑھنا اور نیکی کرنا دوسری جگہوں سے ایک لاکھ زیادہ رکھا، اور اس کو قیامت تک کے لیے مرکز بنا دیا، دنیا میں کوئی جگہ نہیں ہے جہاں پوری دنیا سے لوگ اس طرح عاجزی سے آتے ہوں، اور عبادت کرتے ہوں، جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ وہاں حاضری کی توفیق دیتا ہے، ان کو وہاں حاضری سے پاک صاف کر دیتا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے عجیب تاثیر رکھی ہے، اور ساری مسجدوں کی نسبت وہاں سے رکھی ہے، اور تمام مسجدوں کا مرکز اس مسجد کو بنایا، جس کو بیت اللہ اور الکعبہ کہتے ہیں، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے عمل کو ایسا پسند کیا کہ کہیں بھی اسی جذبہ صادق اور نیت صادق سے تعمیر مسجد کا کام ہوگا، اور ایسا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ یہ انعام دے گا کہ اس کا گھر آخرت میں جنت میں بنائے گا: ”من بنی للہ مسجداً بنی اللہ له بیتاً فی الجنة“ ۔[الحدیث]

جہاں اللہ تعالیٰ کا تذکرہ ہو، عبادت ہو، وہاں فرشتے جمع ہو جاتے ہیں، اگر چہ وہ دیکھے نہیں جاتے لیکن یہ حقیقت ہے کہ فرشتے وہاں موجود ہوتے ہیں، ایسی جگہ فرشتوں کو سکون ملتا اور آرام ملتا ہے، فرشتے ہر وقت عبادت میں رہتے ہیں، وہ تھکتے نہیں، جہاں وہ ہوں گے وہاں برکت پیدا ہو جاتی ہے، فضا میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے، اس لحاظ سے مسجد روشنی دینے والی اور برکت والی جگہ بھی ہوئی، اور جس علاقہ میں ہوگی، پورا علاقہ برکت والا ہو جاتا ہے، مسجد برکت پیدا کرنے کا مرکز بن جاتی ہے، مسجد کی تعمیر کے ساتھ اس کو آباد کرنے کی بھی فکر کرنی چاہیے، یہ ایسا مبارک عمل ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا تعلق بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین مضبوط ہوتا ہے، فرمایا گیا: ”إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ“۔ [توبہ:۱۸]، ہم مبارکباد دیتے ہیں کہ ایسی مبارک تقریب میں شرکت کے لیے یہاں آپ سب لوگ جمع ہوئے۔

اس طرح یہ مفید سفر تمام ہوا، اللہ تعالیٰ اس کی برکات کو قائم و دائم اور عام و تام فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید ودیدہ زیب طباعت

☆سیرت سید احمد شہیدؒ (اول) ولادت سے امامت تک

☆سیرت سید احمد شہیدؒ (دوم) جنگ شیدو سے شہادت تک

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

حضرت سید احمد شہیدؒ کے مفصل سوانح حیات، آپ کے اصلاحی وتجدیدی کارنامے---اور غیر منقسم ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک جہاد وتنظیم، اصلاح وتجدید اور احیائے خلافت کی تاریخ

صفحات: ۱۱۳۶ قیمت: ۶۰۰ روپے

☆سیرت سلطان ٹیپو (ایک تاریخ ساز شخصیت)

از مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی قیمتی تحریر اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے مقدمہ و مضمون کے ساتھ

صفحات: ۹۶ قیمت: ۵۰ روپے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539، موبائل نمبر: 9889378176

ای میل۔ airpnadwa@gmail.com

File F:\Front.tif not found.

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: اگر کوئی شخص حج کے موقع سے ایک سے زیادہ طواف کرے، اور ہر طواف کی دو رکعت واجب نماز اخیر میں ایک ساتھ ادا کرے تو کیا اس کی اجازت ہے، کیونکہ بھیڑ کی وجہ سے کبھی کبھی بہت دور جگہ ملتی ہے، پھر واپس آنے میں وقت لگتا ہے، اس وقت کو بچانے کے لیے کیا ایسا کیا جاسکتا ہے؟

جواب: جن اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، اگر ان میں کئی طواف کیے گئے، اور تمام طواف کی نمازیں ایک ساتھ پڑھی گئیں تو یہ مکروہ ہے، کیونکہ ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے: ”وواجبہ......صلاۃ رکعتین لکل أسبوع من أي طواف کان“.

[الدرالمختار: ج۳/ص۴۷۲]

لیکن اگر طواف ایسے وقت میں کیا جارہا ہے، جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، تو ایسے وقت میں تمام طواف کی نمازیں ایک ساتھ غیر مکروہ وقت میں دو دو رکعت کرکے پڑھنے کی اجازت ہے، بلکہ وقت مکروہ سے مؤخر کرکے نماز پڑھی جائے گی۔

[مناسک ملا علی قاریؒ، ص۱۶۵]

سوال: دوران طواف یا صفا و مروہ کے درمیان سعی کے وقت موبائل سے بات کرنا یا کسی کے کال کا جواب دینا کیسا ہے؟

جواب: طواف اور سعی، یہ وہ مبارک عمل ہیں کہ ان کے درمیان اوراد و اذکار اور دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے، اور غیر ضروری اور لایعنی گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ یہ خلاف ادب ہے اور مکروہ ہے، البتہ اگر ضروری گفتگو کرنے کی ضرورت پڑگئی اور موبائل سے اگر گفتگو کرلی گئی تو اس سے طواف اور سعی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بلکہ ضرورۃً اس کی گنجائش ہے، اگرچہ بہتر نہیں ہے۔

[فتح القدیر: ج۲/ص۴۹۵]

سوال: تلبیہ کتنی مرتبہ اور کب تک پڑھنی چاہیے، کیا احرام کھولنے کے بعد بھی تلبیہ پڑھنے کا حکم ہے، اسی طرح طواف کے دوران تلبیہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: احرام باندھنے کے وقت تلبیہ کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، جو عمرہ میں طواف شروع کرنے تک، اور حج میں دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے تک جاری رہتا ہے، ان اوقات کے بعد تلبیہ کا حکم نہیں ہے۔[معلم الحجاج، ص:۱۰۴]

جہاں تک مسئلہ ہے کہ تلبیہ کتنی بار پڑھنی چاہیے، تو اس بارے میں فقہاء نے یہ صراحت کی ہے کہ تین بار پڑھنا مستحب ہے، اور یہ تین بار لگاتار ہونی چاہیے، اس طرح کہ اس درمیان کوئی بات چیت نہ ہو، لیکن طواف کے دوران تلبیہ نہیں پڑھا جائے گا، کیونکہ یہ خلاف سنت ہے، جس سے احتراز ضروری ہے۔

[غنیۃ الناسک، ص:۷۴]

سوال: بعض ایسے بھی حجاج ہوتے ہیں جو زبان سے تلبیہ کے الفاظ ادا نہیں کرپاتے ہیں، باوجود کوشش کے وہ الفاظ تلبیہ یاد نہیں کرپاتے، تو ایسے لوگوں کے لیے تلبیہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کسی شخص کو تلبیہ کے مخصوص الفاظ یاد نہ ہوں تو دیگر اذکار مثلاً: لا الٰہ الا اللہ، الحمد للہ وغیرہ بھی تلبیہ کے قائم مقام ہوسکتے ہیں، اسی طرح اگر عربی زبان کے تلفظ کی ادائیگی دشوار ہو تو عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں تلبیہ کا ترجمہ بھی پڑھا جاسکتا ہے، مگر عربی میں پڑھنا افضل ہے، اس لیے حتی الامکان یاد کرنے کی کوشش میں لگا رہے۔

[معلم الحجاج، ص:۱۰۲، ردالمحتار: ج۳/ص۴۹۰]

سوال: کیا حج و عمرہ میں نیت کے ساتھ فوراً تلبیہ پڑھنا شرط ہے، یا قدرے تاخیر کی گنجائش ہے؟

جواب: احناف کے نزدیک احرام کا آغاز تلبیہ پڑھنے کے بعد ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہو، البتہ نیت اور تلبیہ کا ایک ساتھ ہونا ضروری نہیں، کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر پہلی دفعہ کب تلبیہ پڑھا، اس میں اختلاف ہے، یہاں تک کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے احرام کا لباس پہن کر چلے اور ذوالحلیفہ پہونچ کر تلبیہ پڑھا، بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ سے چلنا حج کی نیت سے تھا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ نیت پہلے ہوگئی تھی اور تلبیہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں پڑھا، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ تلبیہ اور نیت کا ساتھ ساتھ ہونا ضروری نہیں بلکہ پہلے نیت ہو پھر تلبیہ۔

[فتح الباری: ج۳/ص۵۱۶]

File F:\Front.tif not found.

سوال: جس شخص کو بولنے پر قدرت نہ ہو یا وہ قدرتی طور پر بے زبان اور گونگا ہو تو وہ تلبیہ کس طرح پڑھے؟

جواب: بولنے پر قدرت نہ رکھنے والے یا گونگے شخص کے لیے تلبیہ کے وقت زبان میں حرکت دینا کافی ہے، بلکہ بعض علماء کے نزدیک حرکت دینا ضروری نہیں صرف مستحب ہے، کیونکہ ایسے لوگ معذور ہیں، اور معذور کے لیے جس طرح نماز میں زبان کو حرکت دینا ضروری نہیں، اسی طرح گونگا یا اس قسم کے لوگوں کے لیے زبان میں حرکت دینا ضروری نہیں، بلکہ صرف مستحب ہے۔

[ردالمحتار: ج۳/ص۴۹۰]

سوال: حج وعمرہ سے فارغ ہونے پر حلال ہونے کے لیے حلق یا قصر کیا جاتا ہے، اگر یہ استرے کے بجائے مشین سے کیا جائے تو کیا اس طرح حلق کی فضیلت حاصل ہوگی یا یہ صرف قصر ہی کے حکم میں ہوگا؟

جواب: آج کل مشین سے سر کے بال اتارنے کا جو طریقہ اور انداز ہے، اس سے حلق کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی، بلکہ یہ قصر کے حکم میں ہوگا۔

[ردالمحتار: ج۳/ص۵۳۴]

سوال: اگر حاجی کے سر پر زخم ہوں اور استرا چلانے سے اس کے بہہ جانے اور زخم بڑھ جانے کا خطرہ ہو تو ایسے شخص کے بارے میں حلق اور قصر کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر حاجی کے سر پر زخم ہیں کہ استرا چلانا تکلیف دہ ہے، تو دیکھا جائے گا کہ اس کے بال کتنے بڑے ہیں، اگر انگلی کے ایک پورے سے زائد ہیں اور حلق ممکن نہیں ہے تو احرام سے نکلنے کے لیے قصر کرانا ضروری ہے، لہٰذا قصر کرالے، اور اگر ایک پورے سے کم بال ہیں تو احتیاط کے ساتھ استرا پھیر دیا جائے، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ویسے ہی محض نیت کرنے سے احرام کھل جائے گا۔

غنیۃ میں صراحت ہے: "وان تعذر جميعاً عن بأن يكون شعره قصيراً أو برأسه قروح لا يمكنه الحلق سقط عنه و حل بلا شيءٍ"۔

[غنیۃ الناسک، ص:۱۱۵]

سوال: عورت کے لیے احرام سے باہر آنے کے لیے کتنے بال کا کاٹنا ضروری ہے؟

جواب: عورت کے لیے احرام سے نکلنے کے لیے سر کے کم از کم ایک چوتھائی بالوں سے ایک انگل (انگلی کے ایک تہائی حصہ کے بقدر) کاٹنا ضروری ہے، حلق کرنا عورت کے لیے ممنوع ہے، ترمذی شریف کی روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو سر کا حلق کرنے سے منع فرمادیا ہے۔[ترمذی: ج۱/ص۱۸۲] مصنّف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے جو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ عورت انگلی کے پورے کے بقدر سر کے بال کا قصر کرے۔

[مصنّف ابن ابی شیبہ: ج۸/ص۸۱، رقم:۱۳۰۶۵]

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

۱۰/اگست ۲۰۱۷ء

NADWATUL-ULAMA

PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW

226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء

پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ لکھنؤ

۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

اہل خیر حضرات سے!

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں جن کے لیے دارالعلوم قائم کیا گیا تھا یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں کے مقابلہ میں ان مذکورہ مقاصد کا حصول زیادہ اہم ہے، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شریک تھے، ان کو یاد ہوگا کہ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے غیرملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''یہ سونے کی چڑیاں سب اُڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے، آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے، اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی۔''

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل وعریض ملک کے کسی علاقہ کے ہوں، ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی بیش قیمت رہنمائی ونظامت میں اگر احباب ومخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہنچے گا، وماذلك علی اللہ بعزیز.

(مولانا) محمد واضح رشید ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء

(پروفیسر) اطہر حسین
معتمد مال ندوۃ العلماء

(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء

(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں: **NADWATUL ULAMA**

(عطیات) **A/C NO. 10863759711**

(زکوٰۃ) **A/C NO. 10863759766** **(State Bank of India Main Branch, Lucknow.)**

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

NAZIM NADWATUL ULAMA,
NIZAMAT OFFICE, NADWATUL ULAMA,
TAGORE MARG, LUCKNOW - 226007 (U.P.)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.